Al-Marjān Research Journal
Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan
Open Access
Al-Marjān Research Journal
ISSN(E): 3006-0370
ISSN(P): 3006-0362
al-marjan.com.pk

خصوصی شمارہ برائے "عُرف بطور ماخذِ شریعت"

Changing Custom and Jurisprudential Rulings: The Status of Custom in Sharia and the Effects of Changing It

عرف کی تبدیلی اور فقہی احکام: شریعت میں عرف کی حیثیت اور اس کے بدلنے کے اثرات

Authors Details

1. **Amna Baigum**
   Lecturer, Department of Islamic Studies, Muhammad Ali Jinnah Educational Complex, Bhawana, Faisalabad, Pakistan.
2. **Dr. Mian Muhammad Ali Awais** (Corresponding Author)
   Lecturer, Department of Islamic Studies, Lyallpur Institute of Management & Sciences, Faisalabad, Pakistan.
   Email: **Mianaliawais154@gmail.com**

Citation

Baigum, Amna, and Dr. Mian Muhammad Ali Awais." Changing Custom and Jurisprudential Rulings: The Status of Custom in Sharia and the Effects of Changing It " *Al-Marjān Research Journal*, 3, no.1, Jan-Mar (2025): 25– 48.

Submission Timeline

Received: Dec 04, 2024
Revised: Dec 18, 2024
Accepted: Jan 01, 2025
Published Online: Jan 10, 2025

Article QR

Publication, Copyright & Licensing

Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan.

Rights Reserved © 2023.
This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

INDEX COPERNICUS INTERNATIONAL
ISSN INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE
HJRS HEC Journal Recognition System

Changing Custom and Jurisprudential Rulings: The Status of Custom in Sharia and the Effects of Changing It

عرف کی تبدیلی اور فقہی احکام: شریعت میں عرف کی حیثیت اور اس کے بدلنے کے اثرات

☆ آمنہ بیگم ☆ ڈاکٹر میاں محمد علی اویس

Abstract

In Islamic jurisprudence, custom is recognized as a fundamental theoretical and ijtihadic element, which has influenced the interpretation and application of Sharia rulings in different periods. Since some rulings are linked to specific social, cultural and temporal conditions, changes in custom also affect these rulings. Therefore, it is necessary to examine in detail the status of custom in Islamic jurisprudence, the effects of its change, and the ijtihadic practice of jurists in this regard. In order to clarify which rulings can be affected by changes in custom and which are unchangeable. Furthermore, based on the jurisprudential principle of "change of rulings with change of time" (change of rulings with change of time), it has been seen how changes in custom have been included in ijtihadic reasoning in different schools of jurisprudence. An important question is also under discussion: should the apparent words or the objectives of the Sharia be given priority in the interpretation of jurisprudential rulings? In this context, it is necessary to analyze the principles of maslah-e-mursala, istihsan, and sadd-ud-dhara'i, so that the paths of ijtihad can be determined with the changing customs in the modern era. This article first sheds light on the definition of customs in jurisprudence, its types, and its Sharia status, then it is clarified how to distinguish between rulings based on texts and rulings based on customs. It has also been researched how jurists have included the change of customs in ijtihad and what is the importance of this principle in the modern era. Finally, in the light of this research, the principles of the change of customs in jurisprudence will be formulated and some guiding points will be presented for modern ijtihad discussions. This article will not only be useful for academic and research circles, but can also prove to be an important reference for jurists, jurists, and policymakers in the practical field, so that the interpretation and application of Sharia rulings can be balanced with changing customs. At the time of writing narrative and analytical methods have been adopted for the dissertation research.

Keywords: Custom, change of rulings with the change of time, ijtihad, objectives of Sharia, Sharia texts, change of custom.

☆ لیکچرر، شعبہ اسلامک سٹڈیز، محمد علی جناح ایجوکیشنل کمپلیکس، بھوانہ، فیصل آباد، پاکستان۔
☆ لیکچرر، شعبہ اسلامک سٹڈیز، لائلپور انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اینڈ سائنسز، فیصل آباد، پاکستان۔

تعارف موضوع

اسلام کی امتیازی خصوصیت اس کانہایت جامع قانون حیات ہے جو اس کی ناگزیریت اور اس کے ایک منفرد عالم گیر نظام ہونے کی حیثیت کی ایک دلیل ہے کہ یہ نہایت پیچیدہ مسائل کو اپنے اصلی ڈھانچے میں کسی بنیادی تبدیلی کے بغیر حل کر سکتا ہے۔اس طرح یہ ایک بے مثال نظامِ حیات کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ چنانچہ جدید دور کے نئے تقاضوں کے پیش نظر وہ مسلمان حکومتیں جو اپنے ممالک میں قانون اسلامی کو مکمل قانونی اور دستوری حیثیت دینا چاہتے ہیں، اور اپنے ملک کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کو اسلام کے ڈھانچے میں ڈھالنے کے لیے کوشاں ہیں، ان کے لیے قرآن مجید، حدیث نبوی، اجماع اور قیاس کے معروف قانونی وسائل کے علاوہ استحسان اور مصالح مرسلہ بھی اپنا مؤثر کردار بایں طور پر ادا کرتے ہیں کہ معاشرہ میں پہلے سے رائج وشائع رسوم وعادات کا قابل قدر لحاظ رکھا جاتا ہے، کیونکہ اگر انہیں نظر انداز کر دیا جائے تو معاشرہ ترقی و خوشحالی کی بجائے تنزلی اور جمود کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ انسانی معاشروں میں پہلے سے مروج عرف وعادات کا شریعت اسلامیہ میں لحاظ و اعتبار مسلم ہے۔ البتہ شریعت اسلامیہ نہایت موزوں اور مناسب طریقے سے **'جہاں اور جس قدر ضرورت اصلاح'** کے اصول کے بنیاد پر رسوم و رواج اور عرف وعادات میں مکمل اصلاحی یا جزوی ترمیمی عمل اختیار کر کے حیات انسانی کو فطری طریقے سے فطری راستے پر گامزن کرنے میں مدد کرتی ہے۔ شریعتِ اسلامیہ چونکہ انسانیت کی نجات اور فلاح کا دین ہے، اس لیے یہ ان رسوم کو جو اس کے اصولی مبادی سے متصادم ہو ،حکمت بالغہ کے ذریعے ان کا متبادل پیش کرنا فراموش نہیں کرتی ہے۔ زندگی جمود اور تعطل نہیں بلکہ تغیّر اور تبدّل کا نام ہے۔ تغیّرات زمانہ اور انقلابِ احوال زندہ اور بیدار قوموں کے لیے بنیاد کا کام کرتے ہیں۔ زمانہ بدلنے سے عرف کا بدل جانا ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ اسلامی قوانین ہر زمانے کے بدلتے ہوئے حالات وعادات اور احوال وظروف کے مطابق انسانوں کی رہنمائی کرتے ہیں، ان قوانین میں اللہ تعالی نے خوبصورت لچک رکھی ہے کہ ان میں ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اسلامی قوانین کی بنیاد رسول اللہ ﷺ یا فقہاء کے زمانے میں جو احکام عرف پر مبنی تھے اب عرف کے بدلنے کے ساتھ ان کی کیا حیثیت رہ جائے گی، کیا ظاہری الفاظ پر عمل کیا جائے گا یا مقاصد کو مدِ نظر رکھا جائے گا؟ کیا ہر عرفی حکم عرف کے بدلنے سے بدل جائے گا؟ موجودہ دور میں عرف کے بدلنے سے کن فقہی احکام پر اثر پڑ سکتا ہے؟ زیرِ نظر تحقیقی مضمون میں ان تمام مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں عرف کی تعریف و اقسام ،عرف کی تبدیلی اور فقہی احکام، شریعت میں عرف کی حیثیت اور عرف کے بدلنے سے اثرات کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس مقالہ سے قبل عصر حاضر کے تناظر میں عرف اور عادت کی شرعی حیثیت: ایک تجزیاتی مطالعہ، تبدیلی احکام میں عرف کے اثرات کا تحقیقی جائزہ: خصوصی معاشی مسائل، عرف وعادات کی تغیر سے احکام میں تبدیلی: منتخب کتب فتاویٰ کی روشنی میں خصوصی مطالعہ، عرف پر مبنی معاشی معاملات کا تحقیقی جائزہ: فقہ حنفی کی روشنی میں، اسلامی قانون میں اعتبارِ عرف کا تحقیقی جائزہ، تبدیلی حالات سے شرعی احکام کی تبدیلی کے تصورات: تجزیاتی مطالعہ جیسے مضامین پر تحقیقی کام ہو چکا ہے۔

مبحث اوّل: عرف کا معنی ومفہوم

1. عرف کی لغوی تعریف:

عرف اور عادت ایک ہی چیز ہے۔ عادت عود اور معاوۃ سے ماخوذ ہے، لغوی اعتبار اس کا معنی طریقہ، طرز اور کسی کام کے بار بار کرنے یا ہونے کے ہیں۔ مأخوذة من العود أو المعادةبمعنى التكرار،والعادة :اسم لتكريرالفعل أو الانفعال حتى يصير سهلاً تعاطبة كالطبع۔[1] عرف مصدر کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہیں پہچاننا، علاوہ ازیں یہ لفظ مندرجہ ذیل معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

[1] . Aṣ-Ṣadaqī, Muḥammad ibn Aḥmad, Al-Wajīz fī Īḍāḥ Qawā'id al-Fiqh al-Kulliyya (Beirut:

عرفان اور معرفۃ بھی اس کی مصدر میں آتے ہیں جس کے معنی بقول امام راغب اصفہانی تفکر اور تدبر کے ساتھ کسی شئ کے جاننے کے ہیں:المعرفة والعرفان ادراک الشئی بتفکر و تدبر[2] لسان العرب کے مصنف لکھتے ہیں:

عرف الرمل والجبل و کل عال ظهره و اعاليه،قال و عرف الديک والفرس والدابة و غير هامنبت الشعر والريش من العنق،والوالعرف والعارفة والمعروف واحد ،ضد النکرو هو کل ما تعرفة النفس من الخير و تبسابه و تطمئن اليه،و قال العرفاسم من الاعتراف ،و منه قولهم له عليَّ الفاعرفااى اعترافا،قال و طا ر القطاعر فاعرفا اى بعضها خلف بعض قال و قد وردت کلمة العرففى القرآن،قال الله تعالى:"وأمر بالمعروف "قال الزمخشرى هوالمعروف الجميل من الأفعال ۔و قال الله تعالى"والمرسلات عرفا"يجوز والله اعلم ان يکون المراد والملائکةوالرسلات متتابعة کشعر عنق الفرس،و يجوزان يکون المراد والمرسلات بالمعروف والاحسان ،کذا يفهم من الالوسى۔[3]

اور اس کے لوگ بھی معنی میں اونچائی اور بلندی کا مفہوم معتبر ہے ریت کے ٹیلے کا سب سے اونچا حصہ پہاڑ کی چوٹی اور ہر چیز کے بلند ترین حصے کو اور کہتے ہیں مرغی کے کلغی اور گھوڑے اور ہر جانور کے گردن کے بال کو بھی عرف کہتے ہیں کیونکہ یہ جسم کے سب سے بلند حصے پر ہوتے ہیں۔ابن منظور کے بقول عرف،عارفہ اور معروف کے معنی ایک ہیں اور یہ نکرہ (بمعنی برا) کا ضد ہے یعنی عرف حرف وہ قول و فعل ہے جس کو انسانی ذہن اچھا سمجھے، خوشی محسوس کرے اور اس پر مطمئن ہو۔ابن منظور کے بقول عرف، اعتراف کا اسم مصدر ہے یعنی اعتراف کے معنی میں بھی آتا ہے مطلب یہ ہے جیسے لہ علیَّ الفا اعترافاً کہہ سکتے ہیں اسی طرح لہ علیَّ الفا عرفا بھی کہہ سکتے ہیں۔ان دونوں جملوں کے معنی ایک ہیں، نیز اس کے مفہوم میں ایک دوسرے کے پیچھے آمد کے معنی میں معتبر ہیں۔جیسے طار القطاعرفاًیعنی کونج ایک دوسرے کے پیچھے اڑنے لگے۔ابن منظور کے بقول عرف کا لفظ قرآن میں بھی آیا ہے ارشاد خداوندی ہے:خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْمُعْرُوْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ[4] درگزر سے کام لیں اور معروف کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جایا کریں۔"اور اس کا حکم کیجئے" کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ عرف کے معنی معروف کے ہیں جس کا مطلب ہے عمدہ افعال۔

نیز ارشاد ہے"والمرسلات عرفاً" بظاہر یہ لکھتے ہیں کہ اس سے وہ فرشتے مراد ہوں جو گھوڑوں کے گردن کے بالوں کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے پے درپے آتے ہیں۔یہ بھی ممکن ہے کہ مطلب یہ ہو کے وہ فرشتے جو نیکی اور احسان یعنی معروف کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں جیسے کہ تفسیر روح المعانی سے واضح ہوتا ہے

العر ف بضم العين، هو فى اصل اللغة بمعنى المعرفة، ثم أُستعمل لغة بمعنى الشئ المعروف المالوف المستحسن الذى تتلقاه العقول السليمة بالقول[5]۔

Mu’assasat ar-Risāla, 1416 AH), 1: 273.
[2] . Ar-Rāghib al-Aṣfahānī, Abū al-Qāsim al-Ḥusayn, Al-Mufradāt fī Gharīb al-Qur’ān (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.), 334.
[3] Ibn Manẓūr, Jamāl ad-Dīn Abū al-Faḍl, Lisān al-‘Arab (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.), 2: 747, s.v. “‘arafa.”
[4] Al-A‘rāf, 7:199.
[5] Az-Zarqā, Muṣṭafā Aḥmad, Al-Madkhal al-Fiqhī al-‘Āmm (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.), 141.

"عرف جو عین کے ضمہ کے ساتھ بولا جاتا ہے لغت میں معرفت کے معنی میں آتا ہے، بعد میں یہ کسی معروف، مالوف اور مستحسن چیز جس کو سلیم عقول قبول کرے، کے لیے مستعمل ہونے لگا"۔

اس مادے سے باب افتعال کے وزن پر اعتراف اس کا مصدر آتا ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی امر کے جانے کا اقرار کرنا، باب تفعیل سے عرفتُهُ الامر بمعنی میں نے اس کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ باب تفاعل سے تعارف و تعارفوا ای عرف بعضهم بعضاً یعنی لوگوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا[6]۔

2. عرف کے اصطلاحی معنی:

عرف کے اصطلاحی معنی اور تعریف محققین علماء کرام سے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ منقول ہے۔ جن میں چند درج ذیل ہیں

اما فی الاصطلاح الفقهی فان العرف هو عادة جمهور قوم فی قول او عمل[7]

فقہی اصطلاح میں قول یا عمل میں جمہور یعنی اکثریت کی عادت کا نام عرف ہے۔

العرف والمعروف والعارفة کل خصلة حسنة ترتضیهاالعقول و تطمئن الیها النفوس[8]

عرف عارفہ اور معروف ہر اس اچھی خصلت کا نام ہے جسے انسانی عقل پسند کریں اور جس سے نفوس انسانی مطمئن ہوں.

العرف عادتة جمهور القوم فی قول او عمل[9]

قول یا عمل میں جمہور یعنی اکثریت کی عادت کا نام عرف ہے.

فقہی احمد ابو سنۃ مزید لکھتے ہیں کہ متقدمین فقہا کے کلام میں عرف کا لفظ ذکر ہوا ہے لیکن کسی نے اس کی واضح تعریف و تحدید نہیں کی ہے، جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے سب سے پہلے اس کی تعریف عبد اللہ ابن احمد النسفیؒ المتوفی ۷۱۰ھ نے کی ہے۔ آپ کے بعد بہت سے فقہاء اور اصولیین نے اس اس طرف توجہ دی۔ ابو سنۃ کے بقول 'مستصفیٰ' میں اس کی تعریف کچھ یوں بیان کی گئی ہے۔

العرف ماالستقر فی النفوس من جهة العقول و تلقتة الطباع السلیمة بالقول[10]

عرف اس قول و فعل کو کہتے ہیں جو لوگوں کے ذہنوں میں عقلی خوبی کی وجہ سے گھر کر جائے اور سلیم طبیعتوں کے مالک لوگ اس کو قبول کرکے اس پر عمل پیرا ہوں۔

بعد ازاں ابو سنۃ عرف کی مندرجہ بالا تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس تعریف میں لفظ "ما" عام ہے یہ قول اور فعل دونوں کو شامل ہے۔ استقر فی النفوس کی قید لگانے سے وہ قول و فعل نکل جاتے ہیں جو کسی قوم اور علاقے میں بطریق ندرت پائے جاتے ہیں کیونکہ انہیں عرف نہیں کہا جاتا ہے (اس لیے کہ عرف کی شرائط میں اطّراد اور غلبہ ہے اور ندرت کی صورت میں غلبہ اور اطّراد مفقود ہو جاتے ہیں) من جهة

[6] Fīrūzābādī, Majd ad-Dīn, Al-Qāmūs al-Muḥīṭ (n.p.: Al-Mu'assasa al-'Arabiyya lil-Ṭibā'a wa an-Nashr, 2nd ed., n.d.), 1: 330.
[7] Az-Zarqā, Muṣṭafā Aḥmad, Al-Madkhal al-Fiqhī al-'Āmm, 141.
[8] Al-Qurṭubī, Abū al-'Abbās, Al-Jāmi' li-Aḥkām al-Qur'ān (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyya, n.d.), 7: 344.
[9] Ibn 'Ābidīn, Muḥammad Amīn, Majmū'at Rasā'il (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyya, n.d.), 2: 114.
[10]. Abū Sunna, Aḥmad Fahmī, Al-'Urf wa al-'Āda fī Ra'y al-Fuqahā' (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyya, n.d.), 10.

العقول کی قید لگانے سے وہ افعال واعمال نکل جاتے ہیں جو خواہشات نفسانی کے نتیجے میں رائج ہو جاتے ہیں جیسے نشہ آور مشروبات اور لہو لعب اور فسق وفجور کی کثیر النوع چیزیں عصر حاضر میں رواج پذیر ہو گئی ہیں۔

مبحث دوم: عرف کی حجیت

1. عرف کے معتبر ہونے پر قرآن کریم سے دلائل

خذ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجاهِلِينَ[11] عرف کے حجت ہونے پر اس کو معتبر شرعی دلیل سمجھتے ہیں۔ قال ابن الفرس: المعنى: اقض بكل ما عرفته النفوس مما لا يرده الشرع، وهذا أصل القاعدة الفقهية في اعتبار العرف وتحتها مسائل كثيرة لا تحصى[12]

لا يُؤاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمانِكُمْ وَلكِنْ يُؤاخِذُكُمْ بِما عَقَّدْتُمُ الْأَيْمانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعامُ عَشَرَةِ مَساكِينَ مِنْ أَوْسَطِ ما تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيامُ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ ذلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمانِكُمْ إِذا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمانَكُمْ كَذلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آياتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ[13]

اس آیت کریمہ میں اس بات کا بیان ہے کہ کفارہ یمین میں دس مساکین کو کھانا کھلانا ہے اب کیسا کھانا کھلانا ہو گا؟ تو یہ بات عرف پر موقوف ہو گی۔

2. عرف کے معتبر ہونے پر احادیث مبارکہ سے دلائل

بعض علماء کرام اس دلیل سے دلیل اخذ کرتے ہیں جس میں یہ مذکور ہے کہ جو چیز مسلمانوں کے نزدیک اچھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جو اس کے ہاں قبیح ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبیح ہے۔ وقال عليه الصلاة والسلام "ما رآه المسلمون حسنا؛ فهو عند الله حسن، وما رآه المسلمون قبيحا؛ فهو عند الله قبيح۔"[14] لیکن علماء نے اس دلیل کو کمزور کہا ہے کہ یہ حدیث عبد اللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے۔ اور اجماع کی حجیت پر دلیل ہے نہ کہ عرف پر۔ جُزْءٌ مِنْ حَدِيثٍ رَوَاهُ أَحْمَدُ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ ---------------- وَالْأَصَحُّ وَقْفُهُ عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍ[15] مگر یہ اجماع کا مستند عرف صحیح ہے پس اس حدیث کی دلالت عرف کی انواع پر ہو گی نہ کہ مطلق عرف پر اور سچی بات یہ ہے کہ عرف شریعت میں معتبر ہے اور اس پر احکام کی بنا کرنا درست ہے۔ حقیقت میں یہ کوئی مستقل دلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ ان ادلہ کی طرف لوٹتا ہے جو شرعا معتبر ہیں۔

دوسری روایت جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔

حدثنا محمد بن المثنى، حدثنا يحيى، عن هشام، قال: أخبرني أبي، عن عائشة، أن هند بنت عتبة، قالت: يا رسول الله إن أبا سفيان رجل شحيح وليس يعطيني ما يكفيني وولدي، إلا ما أخذت منه وهو لا يعلم، فقال: خذي ما يكفيك وولدك، بالمعروفسيدنا

[11] Al-Aʻrāf, 7:199.
[12] As-Suyūṭī, Jalāl ad-Dīn, Al-Iklīl fī Istinbāṭ at-Tanzīl (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, 1401 AH), 1: 132.
[13] Al-Mā'ida, 5:89.
[14] Al-Kāsānī, ʻAlā' ad-Dīn Abū Bakr ibn Masʻūd, Badā'iʻ aṣ-Ṣanā'iʻ fī Tartīb ash-Sharā'iʻ (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, 1408 AH), 5: 3.
[15] Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʻīl, Al-Jāmiʻ aṣ-Ṣaḥīḥ al-Bukhārī (Beirut: Dār Ṭawq an-Najāh, 1422 AH), 7: 65.

ابو سفیانؓ کے بارے میں اس کی بیوی نے شکایت کی کہ وہ مجھے پورا خرچ نہیں دیتا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے مال سے عرف کے مطابق خرچ لیا کرو۔

اسی وجہ سے ابن عابدینؒ لکھتے ہیں:

"والعرف في الشرع له اعتبار ... لذا عليه الحكم قد يدار"[16] یعنی شریعت میں عرف کو اعتبار ہے اسی وجہ سے اس کے ساتھ حکم کا تعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح شارع نے ان عرفوں کی رعایت کرتے ہوئے جو عرب میں اچھے تھے، برقرار رکھا تجارت اور شراکت کی ان اقسام کو جو ان کے نزدیک صحیح تھیں جیسے مضاربت، بیع اور اجارہ کی وہ صورتیں جو فاسد چیزوں سے خالی تھیں۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں لوگ مضاربت کرتے تھے پس آپ ﷺ نے ان کو برقرار رکھا اور بیع سلم کو مستثنیٰ پایا (بیع کے عام قوانین سے) اصل مدینہ کے اس پر عمل کی وجہ سے، اس عام نہی کی وجہ سے کہ جو چیز انسان کے پاس نہ ہو وہ اسے نہ بیچے اور بیع التمر بالتمر سے منع فرمایا (یعنی درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کی ٹوٹی ہوئی کھجوروں کے ساتھ) اور عرایا میں رخصت دی اور وہ یہ ہے کہ تر کھجوروں کی بیع ان کی درختوں پر اس کے مثل کھجوروں سے اندازہ کرنا۔

وروى عبادة بن الصامت قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم في عرايا النخل إذا كان نخلة أو نخلتان أو ثلاث بين النخل فيختلفون في حقوق ذلك فقضى أن لكل نخلة مبلغ جريدها حريمها وكانت تسمى العرايا وذلك إذا اختلف هو وصاحب النخل في حقوقها فيكون لصاحب العرايا ما لا يقوم نخله التي أعريها إلا به[17]

بیع کی یہ قسم لوگوں کے درمیان متعارف تھی اور ان کو اس کی ضرورت تھی۔ پس شارع کے یہ تصرفات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انھوں نے لوگوں کے مصالح میں عرف کی رعایت کی اور لوگوں کے معاملات میں اس کو باقی رکھا۔ اور عرف فاسد کو رد کیا اور لغو قرار دیا۔ جیسے متبنیٰ کے بارے میں جو رسم جاہلیت تھی اس کو باطل قرار دیا۔

مبحث سوم: عرف کی اقسام

عرف کی اپنے مختلف حیثیتوں سے کئی قسمیں کی گئی ہیں: عرف کی اپنے موضوع اور متعلق کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: عرفِ لفظی اور عرفِ عملی ؛ کیونکہ عرف کا تعلق یا تو بعض الفاظ کو ان کے متعارض معانی میں استعمال کرنے سے ہوگا یا بعض اعمال یا معاملات کی عادت بنا لینے سے ہوگا، پہلے کو عرفِ لفظی اور دوسرے کو عرفِ عملی کہتے ہیں۔

1. عرفِ عملی

عرفِ عملی یہ ہے کہ لوگوں کے مابین لفظ یا ترکیب کا استعمال کسی خاص معنی میں اس طرح عام ہو جائے کہ جب بھی وہ لفظ بولا جائے تو بغیر کسی قرینے اور علاقہ عقلیہ کے وہی معنی سمجھ میں آئیں۔[18]

اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں لفظ یا ترکیب کے اصلی معنی ترک کر دیے جاتے ہیں، اب اس ترک کرنے کی دو صورتیں ہیں:

بالکلیہ لفظ سے دوسرے معنی مراد لیے جانے لگیں مثلاً کوئی لفظ مطلق تھا، لیکن بعد میں اس کو متعینہ فرد کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا۔

---

[16] Ibn ʻĀbidīn, Muḥammad Amīn ibn ʻUmar ibn ʻAbd al-ʻAzīz, Radd al-Muḥtār ʻalā ad-Durr al-Mukhtār (Beirut: Dār al-Fikr, 2nd ed., 1412 AH), 3: 147.
[17] Yūsuf ibn Mūsā ibn Muḥammad, Al-Muʻtaṣar min al-Mukhtaṣar min Mushkil al-Āthār (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, n.d.), 2: 22.
[18] Ibn ʻĀbidīn, Muḥammad Amīn ibn ʻUmar, Nashr al-ʻUrf fī Binā' Baʻḍ al-Aḥkām ʻalā al-ʻUrf (n.p.: n.p., 1st ed., 1441 AH), 2: 113–115.

لفظ کے اصلی معنی بالکلیہ متروک نہ ہوں بلکہ اس کے بعض معنی مراد لیے جائیں۔ جیسے کسی لفظ عام سے اس کے بعض افراد مراد لیے جائیں مثلاً لفظِ "درہم" کا استعمال ملک میں رائج سکوں کے معنی میں ہونے لگا۔ حالانکہ "درہم" کے اصلی معنی چاندی کے سکے کے ہیں چاہے وہ ملک میں رائج ہو یا نہ ہو اس طرح لفظ "ولد" اصل معنی کے اعتبار سے مذکر مونث دونوں کو شامل تھا لیکن بعد میں مذکر کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

2. عرفِ عملی

کسی عمل کے بارے میں لوگوں کی عادت اور رواج کو عرف عملی کہا جاتا ہے۔ جیسے بیع تعاطی یعنی زبانی ایجاب وقبول کے بغیر خرید وفروخت کرنا، یا جیسے عربوں کے یہاں مہر کے کچھ حصے کا تعجیلاً اور کچھ حصے کا تاخیراً ادا کرنا، ہفتے میں کسی دن چھٹی کا ہونا وغیرہ۔ عرف کی اپنے مصدر کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: عرفِ خاص اور عرفِ عام۔

عرفِ عام: سارے یا اکثر ملکوں کے لوگ اگر کسی چیز کو اپنی عادت بنالیں تو اس کو عرفِ عام کہتے ہیں۔[19] جیسے بہت سی ضروری چیزیں مثلاً جوتے، کپڑے وغیرہ میں استصناع کا معاملہ کرنا؛ اس لیے کہ پرانے زمانے سے اب تک ضرورت کی بناء پر لوگ یہ معاملہ کرتے آئے ہیں۔[20]

عرفِ خاص: عرفِ خاص ایسے عرف کو کہتے ہیں جو کسی جگہ، شہر یا لوگوں کی خاص جماعت کے ساتھ مخصوص ہو۔ عرفِ خاص کی بے شمار مثالیں ہیں؛ اس لیے کہ لوگوں کو ان کی ضرورتیں پورا کرنے کے طریقے ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، جیسے کس طرح کے عیب سے مبیع کی قیمت میں کمی آئے گی اور کس سے نہیں آئے گی؛ اس کا پتہ تاجروں کے عرف سے چلے گا اور اس سلسلے میں تاجروں کا عرف بدلتا رہتا ہے اور جیسے: اہل عراق کا یہ عرف ہے کہ وہ گھوڑے کے لیے "دَابۃ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اسی طرح فقہی اور اصول جملہ اصطلاحات مثلاً: فرض، واجب، سنت، شرط، سبب وغیرہ یہ سب عرفِ خاص میں شامل ہے۔

عرف کی نصوصِ شرعیہ اور قواعدِ شریعہ کی مخالفت یا موافقت کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: عرف صحیح اور عرف فاسد۔

عرفِ صحیح: عرفِ صحیح اس عرف کو کہتے ہیں، جس میں کسی بھی نص شرعی یا قاعدہ شریعہ کی حقیقت میں مخالفت نہ پائی جائے۔

عرفِ فاسد: عرفِ فاسد ایسے عرف کو کہتے ہیں جو حقیقت میں کسی نص شرعی یا قاعدہ شریعہ کے مخالف ہو۔ جیسے بہت سے منکرات کا لوگوں کے مابین عام ہونا، مثلاً عورتوں کا نیم برہنہ حالت میں بازاروں میں نکلنا، سودی معاملات کی کثرت، شراب اور زنا کا عام ہونا اور بعض علاقوں میں عورتوں کا میراث سے محروم ہونا۔

مبحث چہارم: شرعی احکام میں عرف کا اعتبار

فقہاء کرام نے جہاں ہر دور میں دینی احکام کی توضیح اور تشریح کا فریضہ بطریق احسن نبھایا اور اس کے دائرہ کار کا تعین کیا، وہاں عرف کو بڑی اہمیت کی نظر سے دیکھا اور اس کے ذریعے سے امت کے لیے اسلامی احکام پر عمل کو آسان تر بنانے کی مقدور بھر کوشش کی، اصول فقہ کے جامع قواعد وضع کیے، ان پر مبنی تعریفات بیان کی اور یہ بات خوب واضح کی کہ عرف اور مصلحت پر مبنی احکام، عرف کی تبدیلی کے ساتھ خود بخود تبدیل ہوتے رہیں گے تاکہ عملی زندگی میں مسلمانوں اور اسلام کا باہمی رشتہ قائم ودائم رہے اور مسلمانوں کو کسی دور میں اپنے دین پر عمل کرنے میں دقت کا احساس نہ ہو۔

---

[19] Ibn ʻĀbidīn, Nashr al-ʻUrf fī Binā’ Baʻḍ al-Aḥkām ʻalā al-ʻUrf, 2: 125.
[20] Az-Zaylaʻī, ʻUthmān ibn ʻAlī, Tabyīn al-Ḥaqā’iq (Cairo: Al-Maṭbaʻa al-Kubrā al-Amīriyya, 1314 AH), 4: 123.

حضرت امام بخاریؒ نے عرف کے مرجع اور اساس ہونے کو بیان کرنے کے لیے اپنی شہرہ آفاق تصنیف الصحیح البخاری کی کتاب البیوع میں ایک طویل ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں،

"باب من اجرى النصار على ما يتعارفون بينهم فى البيوع والاجارة والمكيال والوزن وسنتهم و مذاهبم المشهورة"[21]

یعنی یہ باب اس بات کے بیان کرنے میں ہے کہ تمام شہروں کے معاملات کو اس طریقہ پر جاری کیا جائے، جو ان کے درمیان متعارف ہوں، بیوع، اجارہ، کیل، وزن اور ہر چیز میں لوگوں کا عرف اور تعامل معتبر رہے گا جو ان کی نیتوں اور مشہور مذاہب کے مطابق ہو"

چونکہ امام بخاری کی فقاہت اس کے تراجم ہے لہذا اس ترجمۃ الباب کے قائم کرنے سے امام بخاری کا مقصد اور اس کے معتبر ہونے اور مسائل فقہ میں اس کے موثر ہونے کو بیان کرنا ہے جیسا کہ عینیؒ لکھتے ہیں:

و حاصل الكلام ان البخارى قصد بهذه الترجمة اثبات الاعتماد على العرف والعارفة[22]

کلام کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے عرف اور عادت کو ثابت کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ امام بخاری نے بیوع، اجارہ، کسی چیز کی مکیلی اور موزونی ہونے اور دوسرے دیگر معاملات میں عرف کو قابل اعتماد کہا ہے۔

اور اس کی تائید کے لیے متعدد روایات اور آثار کا سہارا لیا ہے، جن آثار اور احادیث سے امام بخاری نے استدلال کیا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہی:

محمد بن سیرین کا اثر ہے:

لا باس العشرة باحد عشر، و ياخذ للنفقه ربحا[23]

"یعنی ۱۰ کی چیز کو ۱۱ کے بدلے میں بیچ کر نفقہ (خرچہ) کے لیے نفع لینے میں کوئی حرج نہیں"۔

اکثر حضرات نے اس اثر کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کوئی شخص ۱۰ روپے کی چیز ۱۱ روپے میں بیچے اور خرچہ کے اس میں کچھ نفقہ لے تو یہ جائز ہے، یعنی بازار سے ایک چیز ۱۰ روپے میں لی جائے اور بازار سے یہاں لا کر ۱۱ روپے میں فروخت کر دی اور آنے جانے کا جو خرچہ ہوا اسے بھی رأس المال کے ساتھ ملا کر مشتری سے وصول کر لیا تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی دھوکہ نہیں اور یہ جمہور کا مذہب ہے، ہاں عقد مرابحہ میں یہ نہ کہے کہ یہ چیز میں نے اتنے پر خریدی ہے بلکہ یوں کہے کہ مجھے یہ چیز اتنے پر پڑی ہے۔

واكترى الحسن من عبدالله بن مرداس حمارا فقال بدانقين فركبه ثم جاء مرة اخرى فقال الحمار فركبه ولم يشار طه فبعث اليه بنصف درهم[24]

"حضرت حسن بصریؒ نے عبد اللہ بن مرداس سے ایک گدھا کرائے پر لیا اور پوچھا کتنا کرایہ وصول کرے گا، عبد اللہ بن مرداس نے دو دانق یعنی ثلث درہم کرایہ بتایا۔ پھر ایک دوسرے موقع پر حسن بصریؒ سواری لینے کے لیے آئے اور اس

---

[21] Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismā'īl, Ṣaḥīḥ al-Bukhārī (Karachi: Qadīmī Kutub Khāna, n.d.), 1: 294.
[22] Al-'Aynī, Badr ad-Dīn, 'Umdat al-Qārī (Beirut: Dār Iḥyā' at-Turāth, n.d.), 12: 97.
[23] Al-Bukhārī, Ṣaḥīḥ al-Bukhārī (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyya, n.d.), 2: 97.
[24] Al-Bukhārī, Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, Bāb man Ajrā al-Muṣāra, 1: 294.

مرتبہ کرایا پوچھے بغیر سواری لے گیا اور سواری واپس کرتے وقت اسے آدھا درہم کرایہ ادا کر دیا یعنی پرانے کرایہ یا اجرت سے ایک دانق زیادہ دیا۔"

اس واقعے سے امام بخاری نے یوں استدلال کیا ہے کہ حسن بصریؒ نے عبداللہ بن مرداس سے دوسری دفعہ اس لیے اجرت طے نہیں کی کہ پرانی اجرت پر اعتماد کیا گیا اور چونکہ ان دونوں کے ہاں متعارف تھی اس لیے حسن بصریؒ نے دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

اگر عام حالات میں دیکھا جائے تو یہ جارا فاسد ہونا چاہیے تھا کیونکہ اجرت مقرر نہیں ہوئی تھی، اجرت کی جہالت کو فاسد کرتی ہے لیکن سابقہ عقد سے اجرت بمنزلہ کے متعارف کے ہوگئی اور متعارف معلوم اور مشروط کے درجے میں ہوتا ہے اس لیے عقد میں جہالت باقی نہ رہی تو حسن بصری کا اس متعارف کو مشروط کے درجے میں قرار دینا عرف کے معتبر ہونے کے لیے مؤیدہ ہے۔

عرف سے متعلق بعض حنفی فقہاء نے قواعد الکلیہ بیان کیے ہیں جن سے عرف کے مطابق فتوی دینے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ قاعدہ کلیہ ایک ایسا عام ضابطہ ہے اس پر بہت سارے جزوی مسائل متفرع ہوسکتے ہیں پکن تھاوہ میں اور سے متعلق کئی ایسا عبارات ملتی ہیں جو عمومی ضابطوں اور قواعد کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے جن میں سے اکثر کو مجلۃ الاحکام العدلیہ اور الاشباہ والنظائر میں جمع کیا گیا ہے ذیل میں ان ضابطوں کا بیان کیا گیا ہے۔

قاعدہ نمبر 1: العادة محكمة[25]

اس کا مطلب یہ ہے کہ عادت (عرف) کو احکام شرعیہ میں حکم اور اساس بنایا جاتا ہے، ابن نجیم نے الاشباہ والنظائر میں اس قاعدہ کی تصریح کی ہے اور مجلۃ الاحکام العدلیہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ لفظ عادت کے بارے میں یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اگرچہ یہ لفظ عرف سے عام ہے (کیونکہ عرف عادت کے مقابلے میں خاص ہے) لیکن فقہاء کی عبارات میں یہ عرف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ خاص معنی مراد ہوں اور عام معنی مراد دینا بھی شامل ہے، کیونکہ عادت طبعیہ بھی جزوی مسائل کے لیے مرجع قرار پاتا ہے جیسے یوم الشک کے روزے کے بارے میں اکثر فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ اس شخص کے لیے روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے جس کی پہلے سے روزہ رکھنے کی عادت ہو۔ اس طرح قاضی کے لیے اس عادت کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے جس کی پہلے سے ہدیہ دینے کی عادت ہو۔[26]

"محكمة" کے معنی یہ ہیں کہ اس کو شرح میں کسی حکم اور فیصلے کے لیے اساس اور حکم قرار دیا جائے لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حکم شرعی کی اساس بننے کے لیے عادت یا عرف اس وقت معتبر ہوگا جب لوگوں میں اس طرح شائع ہوجائے کہ اہل عرف عام طور پر اس کے عادی ہوچکے ہوں یا ان کی اکثریت اس پر عامل ہوچکی ہو کہ اقل کا عدم علم و عمل قابل لحاظ نہیں ہوا کرتا اور دوسری شرط یہ ہے کہ جس کو حکم کو عرف کی بناء ثابت کرنا چاہتے ہیں اس کے بارے میں کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو کیونکہ نص کے وارد ہونے کی صورت میں نص پر عمل کرنا واجب ہوگا۔[27]

مثلاً متعاقدین (بائع و مشتری) میں کسی ایسی بات میں نزاع پیدا ہوجائے جس کی تصریح عقد کے وقت نہ ہوئی ہو جیسے سواری کے کسی جانور کی خرید و فروخت کے بعد زین اور لگام کا تنازعہ آجائے اور عقد کے دوران اس بات کا تذکرہ کسی نے بھی نہ کیا ہو تو اس نزاع کا فیصلہ عرف کے مطابق کیا جائے گا۔ اگر بیع میں جانور کے ساتھ زین اور لگام دینے کا رواج ہو تو یہ دونوں چیزیں مشتری کے حوالے کی جائیں گی اور عرف میں یہ چیزیں جانور کے ساتھ نہیں دی جاتیں تو پھر یہ چیزیں بائع کی رہیں گی۔

---

[25] Ibn Nujaym, Zayn ad-Dīn, Al-Ashbāh wa an-Naẓā'ir (Karachi: Qadīmī Kutub Khāna, n.d.), 93.
Naẓā'ir, 93.-Ashbāh wa an-Dīn, Al-. Ibn Nujaym, Zayn ad [26]
[27] Al-Ḥamawī, Shihāb ad-Dīn, Al-Ashbāh wa an-Naẓā'ir ma'a Sharḥ Ḥamawī (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyya, 1416 AH/1995), 1: 278.

قاعدہ نمبر2: استعمال الناس حجة يجب العمل بها[28]

اس قاعدہ کو امام سرخسی نے اس طرح بیان کیا ہے "تعامل من غیر نکیر اصل فی الشرع" اس کا مطلب ہے کہ لوگوں کا استعمال اور تعامل ہی جواز کی حجت ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ جیسے بیع وفا اور منقولی اشیاء کے وقف میں لوگوں کا استعمال اور تعامل ہی جواز کی حجت ہے۔

قاعدہ نمبر3: المعروف كالمشروط[29]

اس کا مطلب ہے کہ جو چیز لوگوں میں معروف ہو وہ ایسی ہے جیسے کہ عقد میں اس کی شرط لگائی گئی ہو مختلف فقہی کتب میں یہ فائدہ مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، مثلاً" المبسوط میں المعروف بالعرف كالمشروط بالنص والمعروف في كل موضع يجعل كالمشروط" (معروف ایسا ہے جیسے نص نے مشروط کیا ہو اور معروف ہر جگہ مشروط کے درجے میں رکھا جاتا ہے) اور "الثابت بالعرف كالثابت بالشرط" کے الفاظ کے ساتھ مزکور ہے۔ مجموعۃ قواعد الفقہ میں "المعروف عرفا كالمشروط شرطا" اور "المعروف بين التجار المشروط بينهم" (جو چیز تاجروں میں معروف ہو وہ ان کے ہاں مشروط ہوگی) کے الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس قاعدے پر بہت سے مسائل اور جزئیات متفرع ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک دلال بائع کو اپنی طرف سے ثمن ادا کرے تو اسے مشتری پر رجوع کا حق حاصل ہوگا کیونکہ عرف وعادت کے مطابق دلال ثمن ادا کرنے کے بعد مشتری پر رجوع کرتا ہے لہذا یہ ایسا ہے جیسے دلال نے اس کی تصریح کی ہو۔

قاعدہ نمبر4: التعين بالعرف كالتعين بالنص[30]

یعنی عرف کے ذریعے کسی امر کا تعین نص کے تعین کی طرح ہوگا۔ یہاں نص تصریح اور اظہار کے معنی میں ہے۔ عرف کا تعین زبان کے تعین کی طرح ہے جیسے کوئی آدمی ایک چیز خریدے لیکن عقد میں اس بات کا ذکر بائع اور مشتری میں سے کوئی بھی نہ کرے کہ ادائیگی کس سکے میں ہوگی تو ملک کا غالب سکہ خود بخود متعین ہوگا۔

قاعدہ نمبر5: الثابت بالعرف كالثابت بالنص[31]

اس کا مطلب ہے کہ جو چیز عرف سے ثابت ہو وہ نص شرعی سے ثابت ہونے کی طرح ہے۔ ہر ملک اور معاشرے میں کئی چیزیں مکیلی وموزونی وغیرہ بن جاتی ہیں۔ اس لیے کسی شئے کا مکیلی یا موزونی ہونا نص سے ثابت نہ ہو تو عرف کو دیکھا جائے گا اور ایسی صورت میں عرفی پیمانہ معتبر ہوگا اس کے علاوہ کوئی دوسرا پیمانہ قابل اعتبار نہیں مانا جائے گا اور نہ ہی کسی دوسرے پیمانہ سے عقد درست ہوگا۔

قاعدہ نمبر6: لا ينكر تغير الاحكام بتغير الزمان[32]

شریعت کے بعض احکام کبھی لوگوں کے عرف وعادت پر مبنی ہوتے ہیں لہذا جب یہ عرف وعادت کسی عہد میں اپنی ما قبل کے عہد سے مختلف ہو تو یہ تبدیلی اس کا تقاضا کرے گی کہ حکم میں بھی تبدیلی واقع ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے احکام میں تبدیلی سے انکار نہیں کیا جا سکتا یعنی جو احکام عرف پر مبنی ہوتے ہیں تو اس کے اختلاف کی وجہ سے اس کا حکم بھی تبدیل ہوگا۔ مثلاً شریعت نے اس شخص کے لیے جس نے دیکھے بغیر کوئی چیز خریدی ہو خیار رؤیت کا حق دیا ہے کہ دیکھنے پر اگر کوئی عیب موجود پائے تو اس کی واپسی کا اختیار ہوگا۔ پرانے زمانے میں لوگ

---

[28] ʻImād al-Iḥsān al-Madanī al-Barakatī, Qawāʻid al-Fiqhiyya (Quetta: Dār al-Kitāb, n.d.), 65.
[29] As-Sarakhsī, Muḥammad ibn Aḥmad, Al-Mabsūṭ (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, n.d.), 1: 130
[30] As-Sarakhsī, Al-Mabsūṭ, 70.
[31] As-Sarakhsī, Al-Mabsūṭ, 70.
[32] Manẓūr Aḥmad, Irshād Uṣūl al-Fiqh (Lahore: A&W Printers, 1429 AH/2008), 72.

اپنے مکان اس طرز پر بناتے تھے کہ ان کے کمروں اور دیگر طرز تعمیر میں تفاوت نہیں ہوا کرتا تھا، اس لیے فقہاء کرام نے یہ حکم دیا تھا کہ کسی مقام کے ایک کمرے کو دیکھ لینے سے خیار رؤیت ساقط ہو جائے گی اور مکان کے تمام کمروں کا معائنہ ضروری نہیں۔ لیکن بعد کے دور میں جب لوگوں نے مکان کی تعمیر میں جدت اختیار کی اور کمرے ایک دوسرے سے مختلف تعمیر ہونا شروع ہوئے اور ضرورت کے لحاظ سے تعمیر میں اضافہ کیا جانے لگا تو اس دور کے فقہانے حکم دیا کہ خیار رؤیت کے ساقت ہونے کے لیے تمام مکان کا دیکھ لینا ضروری ہے حکم کا یہ اختلاف کسی حجت اور دلیل کے اختلاف کی وجہ سے واقعہ نہیں ہوا بلکہ اس زمانے اور عہد کے عرف کا اختلاف اس کی وجہ بنی۔

قاعدہ نمبر7: انما تعتبر العادة اذا طردت او غلبت[33]

یہ قاعدہ دراصل عرف کی شرائط میں سے ایک شرط کو بیان کر رہا ہے کہ عادت اس وقت معتبر ہو گی جب اس پر عموماً عمل ہو اور لوگوں کی اکثریت اس پر عمل پیرا ہو۔ صرف فقہ کی کتابوں میں اس کا مذکور اور موجود ہونا کافی نہیں مثلاً شہر میں بہت سے سکے رائج ہیں اور بیع کرتے وقت کسی خاص طریقے کا ذکر نہیں کیا گیا تو اس معاملے میں اس سکے کا اعتبار ہو گا جو سب سے زیادہ غالب ہو۔

قاعدہ نمبر8: الحقيقة تترک بدلالة العادة[34]

اس کا مطلب ہے کہ کبھی کبھار حقیقت کو عرف اور عادت کی وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے مثال کے طور پر "صلوۃ" کے معنی دعا کرنے کے ہیں لیکن عرف میں صلوۃ ایک خاص طریقے سے کی جانے والی عبادت (نماز) کو کہتے ہیں۔ اس طرح وم کے لفظی معنی امساک کے ہیں لیکن عرف میں انصاف کو روزہ صوم نہیں کہا جاتا بلکہ ایک خاص نیت کے ساتھ طلوع فجر سے غروب شمس تک کھانے پینے اور جماعت سے رک جانے کو صوم کہا جاتا ہے

قاعدہ نمبر9: الممتنع عادة كالممتنع حقيقة[35]

یعنی جو امر عادۃ ممنوع کو وہ حقیقی معنوں میں بھی ممنوع ہو گا۔

قاعدہ نمبر10: بناء الأيمان على العرف[36]

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کی بناء عرف پر ہے۔ ابن نجیم نے اس قاعدہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ "الأيمان مبنية على العرف لا على الحقائق اللغويه"[37] مثلاً اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ وہ نماز نہیں پڑھائے گا تو نماز جنازہ پڑھنے سے وہ شخص حانث نہیں ہو گا کیونکہ عرف میں نماز جنازہ پر مطلق صلوۃ کا اطلاق نہیں ہوتا، اس طرح کسی نے قسم کھائی کہ وہ روزہ نہیں رکھے گا کیونکہ عرف میں روزہ طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کو کہتے ہیں۔ اگرچہ صوم کے لغوی معنی امساک ہی کے ہیں لیکن یہاں عرفی معنی کو مقدم رکھا گیا۔

مبحث پنجم: مفتی کے لیے عرف جانے کی اہمیت

فقہائے احناف نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مفتی کے لیے ضروری ہے وہ عرف ورواج اور لوگوں کے حالات سے باخبر ہو اور اسے یہ بات بھی معلوم ہو کہ یہ عرفِ خاص ہے یا عرفِ عام اور کسی نص شرعی سے متصادم ہے یا نہیں؟ محض مسائل اور دلائل کا حفظ کرنا اس کے لیے کافی نہیں بلکہ مجتہد کے لیے لوگوں کی عادات سے باخبر رہنا بھی بہت ضروری ہے۔ اس طرح مفتی کے لیے بھی لوگوں کے عرف و عادت کا جاننا

---

33 ʻImād al-Iḥsān, Majmūʻa Qawāʻid al-Fiqh (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, n.d.), 71.
34 Manẓūr Aḥmad, Irshād Uṣūl al-Fiqh, 73.
35 Ibn Nujaym, Al-Ashbāh wa an-Naẓā'ir fī Fiqh al-Ḥanafī (Karachi: Qadīmī Kutub Khāna, n.d.), 98.
36 Ibn Nujaym, Al-Ashbāh wa an-Naẓā'ir fī Fiqh al-Ḥanafī, 98.
37 Ibn Nujaym, Al-Ashbāh wa an-Naẓā'ir fī Fiqh al-Ḥanafī, 98.

ضروری ہے۔ اگر ایک شخص ہمارے فقہاء کی تمام کتابیں حفظ کر لے تب بھی فتوی نویسی کے لیے کسی ماہر مفتی کی صحبت اور نگرانی سے استفادہ کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ بہت سارے مسائل میں اہل زمانہ کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اس طرح بعض اوقات متقدمین فقہائے کرام مختلف اقوال نقل کر دیتے ہیں اور ان میں سے کسی سے بھی ترجیحی سلوک نہیں کیا جاتا تو ان اقوال کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جس طرح انہوں نے عرف اور حالات کے بدلنے کی وجہ سے اسی قول کو لیا ہے جو لوگوں کے لیے آسان ہو اور جس پر لوگوں کا تعامل ہوتا رہا ہو۔ اسی طرح ان اقوال میں سے اس قول پر فتوی دیں گے جو اس معنی کے عرف اور حالات کے لیے مناسب ہو فقہاء کرام اور محققین نے اس وجہ سے یہ تصریح فرمائی ہے کہ جو مسائل قضا سے متعلق ہوں ان میں امام یوسفؒ کے قول پر عمل کیا جائے گا، اس لیے کہ عہدہ قضا سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ان کو واقعات کا مشاہدہ اور تجربہ ہو چکا تھا اور اس سلسلے میں وہ لوگوں کے احوال اور اطاعت سے باخبر تھے۔ اسی طرح ذوی الارحام کے مسائل میں امام محمد کے قول پر فتوی دیا جائے گا لیکن جہاں صاحبان کا قول امام صاحب کے قول کے موافق ہو وہاں ان سے اعراض نہیں کیا جائے گا۔ اگر صاحبین ہی امام صاحب کے خلاف ہوں تو ان کا اختلاف اثر و زمان کا ہے، جیسے گواہوں کی ظاہری حالت پر قاضی کا فیصلہ کرنا تو مفتی صاحبین کا قول لے گا مگر جہاں ایسی ضرورت پیش آجائے کہ اگر امام صاحب کے سامنے بھی وہ صورت پیش آتی تو وہ بھی اپنی پہلی رائے سے رجوع فرما کر موجودہ حالات و مواقع کے مطابق رائے اختیار فرماتے۔ ایسی صورت میں امام صاحب کے قول سے ہٹ کر دوسرا فتوی دینا جائز ہے یعنی مفتی صاحب پر متعین طور پر امام صاحب کے قول پر فتوی دینا ضروری نہیں۔

ان تمام باتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مفتی کے لیے زمانہ اور اہل زمانہ کی رعایت کے بغیر ظاہر الروایہ کی کتابوں میں ہار منقول بات پر جمود اختیار کرنا جائز نہیں ورنہ اس طرح کا طرز عمل بہت سارے حقوق کے ضیاع کا سبب بن جائے گا۔ اور ایسے مفتی کا ضرر اس کے نفع سے بڑھ کر ہو گا کیونکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک آدمی شرعی حکم کے بارے میں پوچھنے آتا ہے لیکن اس کا مقصد اس کے ذریعے کسی دوسرے کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر اس کو فتوی دیا جائے تو اس کے ساتھ ہم بھی گناہ میں شریک ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مفتی کے لیے ضروری ہے کسی مستفتی کی حالت اور عرف سے بھی باخبر ہو۔ مفتی کے لیے ہر دور اور ہر زمانہ میں فتوی دیتے وقت اس وقت کے عرف کی رائے کی رعایت رکھنی چاہیے۔ لیکن اس زمانہ میں لوگوں کے علمی استعدادیں کمزور ہو چکی ہیں اس لیے ان مسائل میں جن کا تعلق عرف قولی سے ہو ہر مفتی کے لیے مستفتی کے عرف ہی کی رعایت رکھنی ضروری ہے۔ لیکن ایسے مسائل جن کا تعلق اہل زمانہ کے تعامل اور عرف عملی کے ساتھ ہو تو اس میں ہر مفتی کو انفرادی طور پر متقدمین فقہاء کی مخالفت کی کوشش نہیں کرنی چاہیے بلکہ مسلک کے ماہر اور مشہور مفتیوں کی نگرانی میں اس کا حل تلاش کرنا چاہیے۔

مبحث ششم: فقہاء شوافع کے نزدیک عرف کا اعتبار

شافعی مسلک کے فقہاء نے عرف کی حاکیت اور احکام شرعیہ کے لیے اس کے اساس ہونے کو تسلیم کیا ہے۔ بیع معاطاۃ[38] جس پر عام لوگوں کا تعامل ہے شوافع میں امام نووی نے عرف کی وجہ سے اس کے جواز کو ترجیح دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "المعاطاة ليس بيعا على المذهب وقال امام مالک ينعقد بكل مايعده الناس بيعا واستحسنتة ابن

[38] An-Nawawī, Muḥyī ad-Dīn, Rawḍat aṭ-Ṭālibīn (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.), 3.

الصباغ قلت الذی استحسنه ابن الصباغ هو الراجح دلیلا و هو المختار لانه لم یصح فی الشرع اشتراط لفظ فوجب الرجوع الی العرف کغیره من الالفاظ۔[39]

"مذہب شافعی میں بعض علماء کے نزدیک بیع معاطاۃ جائز نہیں، امام مالک کہ ہاں اس طریقے سے انعقاد بیع ہو جاتا ہے جس کو لوگ بیع سمجھتے ہوں، ابن الصباغ نے اسی کو مستحسن قرار دیا ہے اور دلیل کی رو سے میرے ہاں یہی قول زیادہ راجح ہے اور یہی مختار ہے کیونکہ شریعت میں کسی خاص لفظ کا شرط ہونا ثابت نہیں تو عرف کی طرف رجوع کرنا لازم ہوا جیسے دوسرے الفاظ بیع میں عرف کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔"

اسی طرح عام شوافع کے نزدیک وہ ہنر مند لوگ جن کی عادت اجرت اور مزدوری کر کے کام کرنے کی ہو، اس وقت تک اجرت کے مستحق نہیں ہو سکتے جب تک عقد کرتے وقت صراحتاً شرط نہ لگائی ہو۔ مثال کے طور پر کسی درزی کو سینے کے لیے کپڑے دیے جائیں یا کوئی حجام کے سامنے سر منڈوانے بیٹھ جائے یا سواری یا کشتی میں اجازت سے بیٹھ کر سفر کرے، تو ان تمام صورتوں میں اگر متعاقدین کے درمیان پہلے سے اجرت طے ہوئی ہو، تو یہ لوگ اجرت اور کرایے کے مستحق ہوں گے ورنہ نہیں، لیکن علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں جواز کا قول زیادہ درست ہے اس لیے کہ عام طور پر اجرت کے معروف ہونے کی وجہ سے کوئی بھی عقد سے پہلے اجرت کو اعتبار دینا زیادہ مناسب ہے جیسا کہ احناف، موالک اور حنابلہ کا مذہب ہے۔[40] علامہ ابن حجر عسقلانیؒ قاضی حسین شافعی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

ان الرجوع الی العرف احد القواعد التی یبنی علیها الفقه[41]

"عرف کی طرف رجوع کرنا ان (پانچ) قواعد میں سے ایک ہے جو فقہ اسلامی کی بنیاد اور اساس قرار پاتے ہیں۔" باقی چار قواعد یہ ہیں۔

1۔**الضرر یزال** (ضرر کو زائل کیا جائے گا) 2۔**المشقة تجلب التیسیر** (مشقت آسانی کو لاتی ہے) 3۔**لا یرفع یقین بشک** (یقین شک سے رفع نہیں ہوتا 4۔**الامور تبع المقاصد** (تمام امور مقاصد کے تابع ہوتے ہیں)

1. مسائل شرعیہ میں عرف کی تاثیر

علامہ جلال الدین سیوطیؒ احکام شرعیہ میں عرف کی تاثیر کے لیے ضابطہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کل ماورد به الشرع مطلقا لا ضابط له فیه ولا فی اللغة یرجع الی العرف[42]، ہر وہ چیز جس کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہو، نہ شریعت نے اس کے لیے کوئی ضابطہ ہو اور نہ لغت میں تو اس میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ فقہاء مالکیہ نے مسائل فقہیہ میں شوافع کی بنسبت عرف اور تعامل کا زیادہ سہارا لیا ہے مشہور مالکی فقیہ ابو عباس خرانی لکھتے ہیں کہ کسی مسلمان کے تصرفات کی مشروعیت کے ۱۹ دلائل ہیں۔ ان میں سے ایک دلیل آپ نے عرف اور عادت کو

[39] As-Suyūṭī, Jalāl ad-Dīn, Al-Ashbāh wa an-Naẓā'ir fī Qawā'id Fiqh ash-Shāfi'iyya (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyya, n.d.), 1: 219–220.

[40] Ibn Ḥajar al-'Asqalānī, Aḥmad ibn 'Alī, Fatḥ al-Bārī (Beirut: Dār al-Fikr, n.d.), 5: 154.
[41] As-Suyūṭī, Al-Ashbāh wa an-Naẓā'ir fī Qawā'id al-Fiqh ash-Shāfi'ī, 1: 219.
[42] Al-Qarāfī, Shihāb ad-Dīn, Tanqīḥ al-Fuṣūl (n.p.: Shirkat aṭ-Ṭibā'a al-Muttaḥida, 1393 AH/1973), 198.

قرار دیا ہے۔[43] مالکیہ کے مشہور فقیہ علامہ شاطبی لکھتے ہیں: "العوئد الجارية ضرورية الاعتبار شرعا"[44] "جو عادتیں لوگوں میں جاری ہوں ان کو اعتبار دینا شرعاً ضروری ہے۔"

اس طرح علامہ محمد امین بن محمد المختار الشنقیطی فرماتے ہیں کہ ان قواعد میں سے جن پر فقہ اسلامی کی بنا ہے، ایک قاعدہ اور ضابطہ تحکیم العرف ہے یعنی عرف کو مسائل فقہیہ کے لیے اساس اور حکم قرار دینا۔ معاملات وغیرہ میں مالکیہ کے ہاں اصل مرجع عرف ہے۔ عرف ہی کی وجہ سے ایک عقد کے اجارہ ہونے یا بیع ہونے یا ہبہ ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ علامہ دسوقی کتاب الاجارہ میں لکھتے ہیں کہ کبھی کبھار عرف کی وجہ سے شرعاً اجارہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی عقد نہ ہوا ہو یہ ان اعمال میں ہوتا ہے جو کوئی آدمی دوسروں کے لیے کرتا ہے اور اس جیسا آدمی اس پر اجرت وصول کرتا ہے۔ اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں اور اس انعقاد کی ایک وجہ یہ ہے کہ فقہ کے قواعد میں ہے کہ عرف شرح کی طرح ہے اور عادت محکم ہے یعنی حکم کی بنیاد عرف وعادت ہے۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ یعنی مالکیہ کے ہاں معاملات میں اصل مرجع لوگوں کا عرف اور عادت ہے۔ لہذا جس کو لوگ عقد بیع سمجھتے ہوں وہی عقد بیع کہلائے گا اور جس کو لوگ اجارہ سمجھتے ہوں وہی اجارہ ہو گا اور جس کو لوگ ہبہ سمجھتے ہوں وہ ہبہ ہو گا اور یہ بات کتاب وسنت کے زیادہ قریب ہے۔[45]

2. عرف کے بدلنے سے فتویٰ بھی بدل جاتا ہے۔

علامہ قرافیؒ کا پایہ علم محتاجِ بیان نہیں، آپ لکھتے ہیں:

> فجميع هذه المسائل والابواب التى سردتها مبينة------فى كل عصر و حين[46]
>
> ہ مسائل اور فقہی ابواب جن کا میں نے ذکر کیا ہے، تعبیر کیے ہوئے پھلوں کے مسئلہ کے سوا عادت پر مبنی ہیں کیونکہ مذکورہ مسئلہ کی اساس نص اور قیاس ہے اور دوسرے مسائل کی اساس رواج ہے۔ لہذا رواج بدل جائے یا ختم ہو جائے تو یہ وہ فتاوی بھی باطل ہو جائیں گے، اور ان کی اساس وبنیاد کے فوت ہو جانے کے باعث فتوی دینا حرام ہو گا۔ یہ ایک قابل غور نکتہ ہے، بلکہ ایسے فتاوی رواج کے ہی تابع ہوتے ہیں جیسی تبدیلی رہنما ہو ویسا ہی حکم ہو گا جیسا کہ ہر زمانہ اور عہد میں بدلے ہوئے سکوں کا حکم ہوتا ہے۔

3. عرف کا بمنزلہ مشروط ہونا

فقہا مالکیہ کے ہاں بھی عرف مشروط کے درجہ میں ہے۔ المدونۃ الکبری کے اس جز میں اس کی تائید ہوتی ہے کہ امام مالک سے پوچھا گیا اگر کوئی شخص کسی سے سو درہم قرض لے اور پھر بغیر کسی شرط اور وعدے کے ایک سو بیس درہم ادا کرے تو کیا یہ جائز ہے؟ امام مالک نے فرمایا کہ ادا کرتے ہوئے زیادہ دینا تو مجھے پسند نہیں البتہ اگر ادائیگی کے بعد اور دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ نہ پہلے سے کوئی وعدہ ہو اور نہ اس کی عادت ہو۔ اگر پہلے سے شرط لگائی ہو یا زیادہ دینے کا عرف وعادت ہو تو زیادہ دینا درست نہ ہو گا۔ پھر اس جیسے کئی جزیات نقل کرنے کے بعد آگے فرماتے ہیں اور ان مسائل میں سے سب کچھ زیادہ دینا تب جائز ہے جب ان دونوں میں پہلے سے عادت مقرر نہ ہو اگر عادت مقرر ہو

---

[43] Ash-Shāṭibī, Abū Isḥāq, Al-Muwāfaqāt fī Uṣūl al-Aḥkām (Beirut: Dār al-Fikr, n.d.), 3: 200.
[44] Ibn Taymiyya, Aḥmad ibn ʿAbd al-Ḥalīm, Fatāwā Ibn Taymiyya (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya, 1408 AH/1987), 20: 345.
[45] Al-Qarāfī, Shihāb ad-Dīn, Al-Furūq (Beirut: Dār al-Maʿrifa, n.d.), 3: 288.
[46] Mālik ibn Anas, Al-Mudawwana al-Kubrā (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya, n.d.), 4: 44–49.

تو اس میں کوئی خیر نہیں۔[47] اس سے واضح ہوتا ہے کہ پہلے سے عادت مقرر نہ ہونے کی شرط لگانا اس بات کی دلیل ہے کہ مالکیہ کے ہاں عرف اور عادت مشروط کی طرح ہے۔

علامہ ابن بطال مالکیؒ فرماتے ہیں کہ عرف فقہا کرام کے ہاں معمول بہ اور قابل عمل چیز ہے اور وہ بیوع وغیرہ میں لازمی شرط کی طرح ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کو سامان بیچنے کا وکیل بنائے اور وہ اس مال کو اس سکہ سے نہ بیچے جو لوگوں میں معروف ہو تو جائز نہیں، بلکہ اس شخص کے ذمے متعارف سکے سے بیچنا لازم ہو گا۔ اس طرح مکیلی اور موزونی چیز متعارف وزن سے نہ بیچے تو جائز نہیں۔ اس طرح کئی مسائل میں امام مالک نے عرف کو نص کا درجہ دیا ہے۔ مثلاً ایسا قاضی جو خلیفہ اور حاکم کی طرف سے مقرر ہو اور حاکم نے اسے اپنا قائم مقام بنانے یا نہ بنانے کی کوئی تصریح نہ کی ہو تو فقہائے مالکیہ کی تصریح کے مطابق اس کے لیے کسی قریبی جانب میں بغیر عذر اپنا نائب بنانا جائز نہیں، ہاں اگر حاکم کی جانب سے اجازت کی تصریح ہو تو ایسی صورت میں اس کے لیے نائب مقرر کرنا جائز ہے۔ اس طرح اگر اس بات پر عرف قائم ہو کہ قاضی اپنا نائب مقرر کیا کرتے ہوں تو یہ عرف بھی بمنزلہ نص اور تصریح کے ہو گا۔ جیسا کہ علامہ شمس الدین الدسوقیؒ لکھتے ہیں:

وينبغي ان العرف بالاستخلاف و عمره كاالنص على ذلك[48]

"خلیفہ یا نائب بنانے اور نہ بنانے کے جواز میں عرف کو اصل قرار دیا گیا ہے۔"

4. کیا عرفِ عملی مخصص ہو سکتا ہے؟

عرف قولی کے ساتھ عام کی تخصیص بالاتفاق جائز ہے، لیکن کیا عرف عملی بھی عام کی تخصیص کا سبب ہو سکتا ہے تو اس میں علماء مالکیہ کا اختلاف ہے۔ علامہ شہاب الدین القرافیؒ کی رائے یہ ہے کہ عرف عملی لفظ کی تخصیص کا سبب نہیں بن سکتا بلکہ اس نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ عرف عملی کے ذریعے عام کی تخصیص جائز نہیں،[49] لیکن جمہور مالکیہ کی رائے اس کے خلاف ہے۔ جمہور کے ہاں عرف قولی کی طرح عرف عملی بھی تخصیص کا سبب بن سکتا ہے۔ اس وجہ سے علامہ شمس الدین الدسوقیؒ نے قرافیؒ کی تردید کی ہے اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ جمہور مالکیہ کے ہاں عرف عملی بھی تخصیص اور مقید ہے۔[50]

خلاصہ کلام یہ کہ مالکیہ کے نزدیک عرف کے بدلنے سے فتویٰ بھی بدل جاتا ہے نیز عرف بمنزلہ مشروط کے ہے۔

مبحث ہفتم: فقہائے حنابلہ کے ہاں عرف وعادت کا اعتبار

فقہاء حنابلہ کی تصریحات اور اشارات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حنابلہ نے بھی احناف اور مالکیہ کی طرح عرف کو بہت سارے مسائل میں حکم اور اساس قرار دیا ہے۔ فقہاء حنابلہ نے خصوصاً اس ضابطہ کی وجہ بہت سے مسائل میں رجوع کیا ہے کہ جس چیز کی تحدید اور تعین شریعت اور لغت چھوڑ دے اس میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ علامہ ابن تیمیہ اس ضابطہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہ اسماء اور اشیاء جن کے ساتھ اللہ نے قرآن و سنت میں احکام وابستہ کیے ہوں ان میں سے بعض کی حد شرع یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تفصیل سے معلوم ہوں گی۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، ایمان، اسلام اور کفر و نفاق اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی حد جاننا لغت پر موقوف رہے گا۔ جیسے سورج چاند وغیرہ اور بعض چیزوں کی تحدید کے لیے لوگوں کی عرف وعادت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ جیسے بیع، نکاح، قبضہ اور اس

[47]Ad-Dusūqī, Muḥammad ibn Aḥmad, Ḥāshiyat ad-Dusūqī ʻalā Sharḥ al-Kabīr (Beirut: Dār al-Fikr, n.d.), 4: 133.
[48] Al-Qarāfī, Al-Furūq, 1: 174.
[49] Ad-Dusūqī, Ḥāshiyat ad-Dusūqī ʻalā Sharḥ al-Kabīr, 4: 142.
[50] Ibn Taymiyya, Fatāwā Ibn Taymiyya, 1: 335.

طرح کی دیگر چیزیں جن کی تحدید شارع نے نہیں کی اور نہ اس کے لیے کوئی ایسی حد ہے جس میں تمام اہل لغت شریک ہوں۔[51] یہی وہ ضابطہ ہے جس کو بہت ساری چیزوں میں فقہا حنابلہ نے اصل قرار دیا ہے۔ جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ مقدار حیض میں عرف کو اصل قرار دیا گیا۔ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"قران و سنت نے اس کے لیے کوئی مقدار مقرر نہیں کی ہے لہذا جو اس کے لیے خاص مقدار مقرر کر دیتا ہے اس نے کتاب و سنت کی مخالفت کی۔ اس لیے صحیح قول یہ ہے کہ نہ تو حیض کی کم سے کم حد ہے اور نہ زیادہ سے زیادہ بلکہ جتنے دن کی عادت ہو وہی حیض کہلائے گا۔[52]

نماز میں اتصال صفوف (کہ کتنا فاصلہ ہے جس کے ہوتے ہوئے صفوں کا اتصال بر قرار رہتا ہے اور کتنے فاصلے کی وجہ سے اتصال صفوف ختم ہو جاتا ہے) کا مرجع بھی عرف و عادت کو قرار دیا گیا ہے۔ عمل کثیر جو مفسد صلوٰۃ ہے اور عمل قلیل یا یسیر جو مفسد صلوٰۃ نہیں میں عرف کو اصل کہا گیا ہے۔ طواف کے دوران اگر فصل اور انقطاع طویل ہو جائے تو دوبارہ طواف شروع کرنا ضروری ہے۔ فصل کے زیادہ اور کم ہونے میں عرف اور عادت سے فیصلہ ہو گا۔ احیا موات کی حقیقت حنابلہ کے ہاں عرف پر موقوف ہے کہ عرف میں جس طریقہ کار کو احیاء سمجھا جاتا ہو اس سے احیا متحقق ہو گا۔ کس طرح جو زمینیں آبادی کے قریب ہوں ان کا احیاء کسی شخص کے لیے جائز نہیں باقی قریب اور بعید ہونے میں عرف و عادت کو دیکھا جائے گا۔ بیع معاطاۃ کو حنابلہ نے بھی عرف کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ شریعت نے عقد بیع کو حلال کیا ہے اور اس کی کیفیت بیان نہیں فرمائی اس لیے اس میں عرف کی طرف رجوع ضروری ہے۔[53]

1. عرف کی وجہ سے احکام میں تبدیلی

علامہ ابن قیمؒ اپنی کتاب اعلام الموقعین میں اس مسئلہ کے لیے ایک مستقل فصل قائم کرتے ہیں:

فصل فی تغیر الفتوی واختلافها بحسب تغیر الازمنة والامكنة والاحوال والنيات والعوائد

"یعنی اس فصل میں زمانے، مکان، حالت، نیت اور عادت کی تبدیلی سے حکم اور فتوی میں تبدیلی اور اختلاف کا بیان ہو گا۔"

علامہ ابنِ قیم اس مسئلے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ساری زندگی کتابوں میں نقل کی ہوئی باتوں پر جمود اختیار نہ کرو۔ جب کسی دوسرے شہر یا علاقے کا آدمی تمہارے پاس فتوی لینے آئے تو اس سے اس شہر کے عرف کے بارے میں پوچھو اور اس کے مطابق جواب دو۔ مشائخ کے نزدیک یہی بات حق اور واضح معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہمیشہ منقولات پر جمود اختیار کرنا گمراہی ہے۔

2. عرف کا نص اور تصریح کے قائم مقام ہونا

فقہاء حنابلہ نے بھی کئی مسائل میں عرف کو نص کی طرح قرار دیا ہے اور اس کے متعلق قاعدہ ہے کہ الثابت بالعرف کالثابت بالنص یعنی عرف سے ثابت ہونے والی چیز نص سے ثابت ہونے والی چیز کی طرح ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن قدامہؒ بیان کرتے ہیں اگر کوئی شخص دھوبی یا درزی کو اپنے کپڑے دے اور دیتے وقت نہ کوئی عقد ہو، نہ شرط ہو اور نہ اجرت کی طرف اشارہ ہو تو دھلائی اور سلائی کے بعد ان کو اجرت دینا ضروری ہے۔ شوافع کے ہاں یہ اجرت کے مستحق نہیں ہوں گے کیونکہ انہوں نے بغیر کسی مقررہ عوض کے کام کیا ہے۔ گویا یہ ایسے ہوا کہ انہوں نے تبرعاً کام کیا

[51] Ibn Taymiyya, Fatāwā Ibn Taymiyya, 1: 335.
[52] Ibn Qudāma, ʿAbd Allāh ibn Aḥmad, Al-Mughnī (Beirut: Dār al-Fikr, n.d.), 4: 417–418.
[53] As-Sarakhsī, Muḥammad ibn Aḥmad, Al-Mabsūṭ (Beirut: Dār al-Maʿrifa, 1414 AH), 12: 196.

ہو۔ لیکن فقہاء حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ اجرت کا ساتھ کام کرنے پر عرف قائم ہے۔ لہذا یہ قول اور تصریح کے قائم مقام ہوگا، جیسے کوئی شخص حمام میں داخل ہو یا کشتی میں بیٹھ جائے تو دونوں جگہ اجرت دینا لازم ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ عرف کی تبدیلی کی وجہ سے احکام میں تبدیلی واقع ہوجاتی ہے جبکہ مواقع پر عرف نص اور تصریح کے قائم مقام ہوتا ہے۔

مبحث نہم: عرف کے معتبر ہونے کی شرائط

عرف کے معتبر ہونے اور اس پر احکام کی بنیاد رکھنے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہیں:

1: اول یہ کہ عرف شریعت کے کسی حکم (نص) کے خلاف نہ ہو۔ اگر وہ عرف کسی نص کے خلاف ہو تو اس عرف کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ جیسے کسی ملک میں سود کھانے کا رواج (عرف) ہو تو یہ عرف کسی صورت جائز نہ ہوگا۔ یا اگر کسی مقام پر شراب نوشی کا رواج ہو تو ایسے عرف کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ اور مخالف نہ ہونے کی صورت میں اس عرف کو درست قرار دیا جائے گا۔ جیسے لوگوں کے درمیان یہ بات معروف ہے کہ امانت رکھنے والے آدمی کو امانت حوالہ کرنے کی اجازت ہے اس دوسرے شخص کو جس کو عادت کے مطابق حوالہ کی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح امانت رکھنے والے کی بیوی، اولاد اور اس کے خادم اور اسی کی دوسری مثال منقولہ مال کا وقف کرنا اور وہ تمام شرائط جو ان عقود کو شامل ہیں کہ جن پر عرف صحیح کا فیصلہ ہوتا ہے۔

لأنه متعارف بين الناس ومن الشرائط في العقود ما يجوز العرف[54]

2۔ عرف غالب اور مشہور ہو، یعنی اس کی عادت عام ہو۔ اس معنی کے ساتھ کہ کوئی اس کا مخالف نہ ہو، یا مطلب یہ ہے کہ یہ عرف عام لوگوں کے درمیان عام اور شائع ہو اور ان کے اندر یہ عرف اکثر پایا جاتا ہو، مراد یہ ہے کہ اس کی مخالفت کرنے والے بہت کم ہوں۔ غلبہ اور اطراد ان دونوں کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے جب یہ عرف اہل عرف کے درمیان پایا جائے۔

3۔ سوم یہ کہ وہ عرف جس پر کسی تصرف کو محمول کیا جائے وہ عرف اس معاملہ کے ہوتے وقت موجود ہو بایں طور کہ وہ عرف تصرف کے وقت سے پہلے وجود میں آئے پھر اس کے زمانے تک جاری رہے اور اس کے وجود سے ملا ہوا ہو اور ضروری ہے ان دلائل کی تفسیر جو اوقاف، وصیتوں، بیع کے معاملات اور شادی کی دستاویزات سے متعلق ہوں اور جو شرائط اور اصطلاحات پائی جائیں ان معاملہ کرنے والوں کے زمانہ کو اس عرف کے مطابق ان کو سمجھا جائے گا، نہ کہ اس عرف کے مطابق جو ان کے بعد پیدا ہوا ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی زمینی آمدنی علماء اور طلباء پر وقف کرے اور وہ عرف وقف کرنے کے وقت قائم ہو ایسے علماء کے ساتھ جو امور دین کے خبر گیری رکھتے ہوں نہ کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری شرط ہو اور طلباء سے مراد علم دین کے طالب علم ہوں پس وہ آمدنی انہی علماء پر خرچ ہوگی اور ان علماء کے لئے سند کے حصول کی شرط نہ ہوگی جب کہ اس کے اور عرف میں سند کے حصول کو ضروری سمجھا جائے۔ اسی طرح یہ آمدنی صرف علم دین پڑھنے والے طلباء پر خرچ ہوگی اگرچہ بعد میں عرفاً اس کا اطلاق عام ہو یعنی دینی اور دنیاوی علوم دونوں پر اطلاق ہوگا۔[55]

4۔ یہ کہ ایسا کوئی قول یا عمل نہ ہو جو عرف کے خلاف فائدہ دیتا ہو۔ جیسا کہ جب بازار میں عرف قیمت کے قسط وار ادا کرنے پر ہو مگر متعاقدین اس بات پر متفق ہوں کہ نقد ادا ہو یا اس بات پر عرف ہو کہ مال کی برآمدگی کا خرچ خریدار پر ہے جب کہ متعاقدین اس بات پر متفق ہوں کہ یہ بائع پر ہوگا۔ یا یہ عرف ہو کہ زمین کی رجسٹری کرنے کا خرچہ مشتری پر ہے مگر طرفین اس بات پر اتفاق کرلیں کہ بائع پر ہوگا، تو ان تمام صورتوں میں

[54] As-Sarakhsī, Muḥammad ibn Aḥmad, Al-Mabsūṭ (Beirut: Dār al-Maʻrifa, 1414 AH), 12: 196.
[55] Al-Qarāfī, Al-Furūq, 1: 174.

عرف پر عمل نہیں ہو گا۔ اور اس سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز عرف کے بغیر ثابت ہو، تو عرف ثابت نہیں ہو گا اگر اس کے خلاف کوئی شرط لگا دی جائے۔

مبحث دہم: زمانہ میں تبدیلی کی وجہ سے احکام میں تبدیلی

وہ احکام جو عرف اور عادت پر مبنی ہوں وہ عادت کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔ یہی فقہاء کا مقصد ہے کہ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے احکام بدلنے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جو احکام عرف اور رواج کی وجہ سے مرتب ہوتے ہیں وہ انہی کے ساتھ گھومتے ہیں جیسے بھی وہ گھومیں۔

أَنَّ لْأَحْكَامَ الْمُتَرَتّبَةَ عَلَى الْعَوَائِدِ تَدُورُ مَعَهَا-------------- بَيْنَ الْعُلَمَاءِ لَا خِلَافَ فِيهِ[56]

اور یہ عرف کے ساتھ باطل ہو جاتے ہیں جب وہ باطل ہوں۔ جیسے سکے کی معاملات میں تجارتی مال خرابی اور عیب کا ہونا اور ایسی دوسری صورتیں۔ اگر نقدی سکہ کا رواج بدل جائے اور ایک سکہ دوسرے سکہ کی جگہ لے لے۔ تو بیع میں بطور ثمن اس سکہ کا اعتبار ہو گا جو عادت کی وجہ سے نیا رائج ہو، نہ کہ پرانے سکہ کا۔ اور اسی طرح جب کپڑے میں خرابی عیب شمار ہوتی ہو تو اس مبیعہ کو اس عیب کی وجہ سے لوٹایا جا سکتا تھا۔ پس جب عادت بدل جائے اور اس عیب کو پسند کیا جانے لگا اور وہ قیمت کی زیادتی کا موجب بھی ہو تو اس کو لوٹایا نہیں جائے گا اور یہ قانون معتبر سمجھا جائے گا ان تمام احکام میں جو عرف اور عادت کی وجہ سے مرتب ہو جائے۔ اور تمام علماء کا اس پر اجماع ہے اور اس قانون کی رعایت کی جائے گی فتووں میں ہر زمانہ کے اندر پس جب کبھی نیا عرف پیدا ہو گا اس کا اعتبار ہو گا اور جب وہ ساقط ہو گا تو اس کا حکم بھی ساقط ہو جائے گا۔

1. کن احکام میں اختلاف زمانہ کی وجہ سے تبدیلی ضروری ہے؟

تمام فقہا متفق ہیں کہ جو احکام زمانہ اور لوگوں کے احوال کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں وہ ایسے احکام ہیں جو یا تو قیاسی ہوں یا کسی مصلحت پر مبنی ہو یعنی اجتہاد کی بنیاد پر یا تو قیاس پر ہوں یا مصلحت پر۔ قائد میں لفظ احکام سے یہی احکام مراد ہیں۔ لہٰذا وہ بنیادی احکام جو شریعت کے اوامر و نواہی پر مشتمل نصوص کے ذریعے ثابت شدہ ہیں، جیسے محرمات کی حرمت، عقود میں تراضی کا وجوب، ایسے نقصان کا ضمان جو کوئی دوسرا شخص کسی کو پہنچائے، انسان کے اقرار کا کسی دوسرے شخص کی بجائے خود اس کی ذات پر فوراً نافذ ہو جانا، تکلیف پہنچانے کی ممانعت کا وجوب، فساد و بربادی کے ذرائع اسباب کو بند کرنا، حقوق کی حفاظت، ہر مکلف پر اس کے عمل و کوتاہی کی ذمہ داری کا عائد ہونا، جرم کی وجہ سے بری الذمہ شخص کا مواخذہ نہ کرنا اور ان کے علاوہ بہت سے دیگر احکام اور شریعت سے ثابت شدہ اصول و ضوابط زمانے کے بدلنے سے نہیں بدلیں گے۔ اس لیے کہ ان احکام کے نزول کا مقصد ہی زمانے اور قوم کی اصلاح کرنا ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ احوال کے بدلنے کی وجہ سے ان احکام کو عملی جامہ پہنانے کے اسباب و مسائل میں تبدیلی آ جائے۔ مثلاً حقوق کی حفاظت کا سبب اور وسیلہ "قضا" ہے جس میں فیصلے تنہا قاضی کے ذمے ہوتے ہیں اور اس کا فیصلہ ایک درجے میں قطعی ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کہ فیصلے ایک قاضی کے بجائے پوری جماعت کے ذمہ کر دیے جائیں۔

معلوم یہ ہوا کہ اختلاف زمانہ کی وجہ سے بدل جانے والے احکام شریعہ میں اگرچہ احوال کے بدلنے سے تبدیلی آ جائے۔ لیکن پہلے احکام اور تبدیل شدہ احکام میں مقصد شریعت ایک ہی ہوتا ہے یعنی شریعت کا مقصد: "منافع کا حصول اور مفاسد کو ختم کرنا" علی حالہ باقی رہتا ہے۔ احکام کی تبدیلی

[56] Aṭ-Ṭarābulusī, ‘Alī ibn Khalīl, Mu‘īn al-Ḥukkām (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.), Al-Bāb ath-Thāmin wa al-‘Ishrīn, 161.

کا اس کے علاوہ کوئی اور مطلب نہیں ہے کہ اشارے کے مقصد تک پہنچنے کے اسباب و ذرائع میں تبدیلی آ جائے۔ اس لیے عام طور پر شریعت اسلامیہ میں اسباب وسائل کو متعین و مشخص نہیں کیا گیا ہے؛ بلکہ ان کو مطلق رکھا گیا ہے تاکہ ہر زمانے میں شریعت کے اصلی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے جو طریقہ نفع اور مفاسد کو ختم کرنے میں زیادہ موثر ہو اس کو اختیار کیا جا سکے۔

2. عرف کی تبدیلی کی وجہ سے شرعی احکام میں تبدیلی

علم اصول فقہ میں مسلمہ قاعدہ ذکر ہوا ہے کہ "یتغیر الاحکام بتغیر الزمان" زمانے کی تبدیلی سے احکام بھی بدل جاتے ہیں بلکہ بعض علماء کرام نے اس کو مزید وسعت دی ہے اور لکھا ہے کہ "یتغیر الاحکام بتغیر الازمان والامکنۃ والاحوال" یعنی زمانوں، جگہوں اور حالات کی تبدیلی سے شرعی احکام بدل جاتے ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ گزشتہ ادوار کے فقہاء نے پیش آمدہ جزئی مسائل میں اپنے دور کے لوگوں کی عادت کے مطابق جو فتوے دیے ہیں ان میں انہوں نے ائمہ مذہب کی مخالفت نہیں کی، بلکہ ان کے قواعد سے اخذ کرتے ہوئے ان کی پیروی کی ہے۔ آج اگر مفتی حضرات بدلے ہوئے حالات و ادوار کی وجہ سے لوگوں کے نئے رسوم و رواج کے پیش نظر سابقہ فتویٰ کے مطابق نئے فتویٰ صادر کریں اور یہ مذہب کے آئمہ کے مسلمہ قواعد کے مطابق ہوں تو یہ مذہب اور متقدمین کے معتمد فتاوی پر عمل درآمد ہے۔ علامہ طرابلسیؒ فرماتے ہیں کہ اگر موجود رسوم و رواج بدل گئے اور ایسے متعارف ہوئے جو سابقہ عادتوں کے بالکل متضاد ہوں تو کیا موجودہ درج فتاوی بیکار ہو جائیں گے اور نئے اجتہاد اور رسم و رواج کے مطابق فتوے دیے جائیں گے یا یہ کہا جائے گا کہ ہم چونکہ مقلد ہیں اور اجتہاد کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ نئی شرح ایجاد کریں، اس لیے گزشتہ دور کے مجتہدین سے منقول باتوں کے مطابق فتاوی دینا لازمی ہے؟ جواب میں کہا جائے گا کہ گزشتہ فتوے اور احکام جو اپنے دور کے رواج اور عادت پر مبنی ہیں رواج کی تبدیلی کے بعد بھی انہیں برقرار رکھنا خلاف اجماع ہونے کے ساتھ ساتھ دین سے جہالت بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعت کے وہ تمام احکام جو رواج پر مبنی ہیں، رواج کی تبدیلی کے ساتھ ان کا سابقہ حکم تبدیل ہو کر نئے رواج کے مطابق ہو جائے گا۔ تاہم یہ واضح رہے کہ ایسا کرنا مقلدین کی طرف سے نیا اجتہاد نہیں کہ پھر ایسے مفتی کے لیے اجتہاد کی اہلیت کی شرط ضروری قرار دی جائے بلکہ یہ اس قاعدہ کے تحت ہے کہ مجتہدین اور علماء نے بالاتفاق واضح کیا ہے کہ الاحکام بتغیر الازمان اور ہم بغیر کسی نئے اجتہاد کے اس سلسلے میں ان کے متابعت کر رہے ہیں۔[57]

مختصر یہ کہ دنیا کا کوئی معاشرہ عرف رواج کو نظر انداز نہیں کر سکتا بلکہ ہر معاشرے میں کچھ خاص طریقے ہوتے ہیں جس پر کسی معاشرے کا معاشرتی ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور شریعت ایسے معاشرتی رواج اور دو طریقوں کو بلا وجہ رد نہیں کر سکتی بلکہ ہر دور کے فقہاء حضرات ان معاشرتی اور مروجہ طور طریقوں کا خیال و لحاظ رکھ کر لوگوں کے لیے آسامناں پیدا کر دی ہیں بشرطیکہ وہ اسلام کے صریح احکام کے ساتھ متصادم نہ ہو۔

3. عرف کی تبدیلی کے لیے جغرافیائی فاصلوں کا اعتبار

اگر ایک دوسرے کے قریبی شہروں یا علاقوں کے لوگوں میں معاملات کے لیے مختلف رسوم و رواج رائج ہوں تو کیا ان کے لیے شریف کام بھی بدل جائیں گے جواب ہے ہاں یعنی احکام مختلف ہوں گے کیونکہ فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ظاہر روایہ کے خلاف

[57] Mughal, Munīr Aḥmad, Justice (Retd.), ‘Urf aur Sadd-e-Dharā’i‘ (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.), 28.

عرف خاص بیب اجتہادی مسائل میں معتبر ہے اس لیے جن شہروں اور علاقوں کے اعراف اور عادت مختلف ہوں تو ان کے شرعی احکام بھی مختلف ہوں گے۔

مبحث گیارہ: عرف کی تبدیلی کی وجہ سے احکام میں تبدیلی کی مثالیں

عرف یعنی مسلمانوں کا عام تعامل اور طرز عمل فقہ اسلامی کا ایک اہم ضمنی ماخذ ہے۔ اس کی تبدیلی سے شرعی احکام بدلتے رہتے ہیں۔ احکام شریعہ کا ایک بڑا حصہ جو منصوص نہیں ہے اور اپنے زمانہ کے عرف وعادت پر مبنی ہے۔ اس کے احکامات ایک مخصوص دور یا ایک مخصوص علاقہ کے عرف کو پیش نظر رکھ کر دیے گئے ہوں، وہ اس زمانہ اور جگہ کی تبدیلی یا اس مخصوص علاقہ کے عرف کی تبدیلی کے بعد اپنے آپ بدل جائیں گے۔ عرف کی تبدیلی کی وجہ سے احکام کی تبدیلی کی کئی مثالیں درج ذیل ہیں:

1. کنواری لڑکی کی رضامندی کے اظہار میں فرق

حدیث مبارکہ کی روسے کنواری لڑکی کی خاموشی کو اس کی نکاح کی اجازت قرار دیا گیا ہے۔ اس حکم کے بارے میں فقہاء متفقہ طور پر یہ کہتے ہیں کہ کنواری لڑکی میں شرم وحیا زیادہ ہوتی ہے، اس لیے وہ اپنے نکاح کی رضامندی کو الفاظ کے ذریعے ظاہر کرنے کی بجائے خاموشی کے ذریعے کرتی ہے اور یہ شرم وحیا عام طور پر ان متوسط مسلمان گھرانوں کی لڑکیوں میں پائی جاتی ہے جن کی تعلیم وتربیت کے ڈھنگ بدلنے اور سماجی بندھنوں کے ڈھیلے ہونے سے اس کے اظہار میں شرم محسوس نہ کریں تو ایسی لڑکیوں کی خاموشی رضا نہیں سمجھی جائے گی۔[58]

2. نکاح میں ہمسری اور عرف

فقہاء نے نکاح میں ہمسری کا اعتبار کیا ہے۔ اس سلسلے میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پیشہ اور صنعت وحرفت میں ہمسری معتبر ہے۔ لہذا جولاہا، کمہار وغیرہ تاجروں اور مدرسین وغیرہ کے ہمسر نہیں ہو سکتے، لیکن امام ابو یوسف نے صنعت وحرفت میں کفو ہونے کو تسلیم نہیں کیا۔ علامہ کاسانیؒ بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں: اس کی وجہ عرف کی تبدیلی ہے امام ابو یوسفؒ جب قاضی بنے اس وقت سماج سے پیشہ کی بنیاد پر امتیاز و تفریق کا مزاج ختم یا کم ہو چکا تھا۔[59]

3. لباس کے آداب اور عرف

کسی معاشرہ میں شلوار قمیض اور کسی معاشرے میں جبہ اور قبا پہننے کا رواج ہے۔ کسی علاقے میں چاول کھانے کا رواج ہے۔ کسی ملک میں گندم پسند کی جاتی ہے۔ دنیا میں ہر طرح کے رواج، کاروبار کے طریقے، لین دین کے آداب اور میل جول کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔ بہت سے فقہی احکام ایسے ہیں جو ان طور طریقوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ طور طریقے زمانے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں، چنانچہ شریعت کے وہ احکام جن کا تعلق ان احکام کے ساتھ ہو گا وہ بھی بدل جائیں گے۔

4. کیڑے مکوڑوں کا صاحب قیمت ہونا عرف پر مبنی ہے

شہد کی مکھی اور ریشم کے کیڑوں کی خرید وفروخت کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ ان کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کی حیثیت حشرات الارض کی سی ہے جن کی نہ تو کوئی قیمت ہوتی ہے، نہ اس میں مال بننے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اس لیے ان کو تلف کرنے پر ضمان نہیں۔ لیکن امام محمدؒ نے جب اپنے زمانے میں دیکھا کہ لوگ عام طور پر ان کی خرید وفروخت کر کے ان سے مالی فائدہ حاصل کرتے ہیں، تو انہوں

[58] Al-Kāsānī, ‘Alā’ ad-Dīn, Badā’i‘ aṣ-Ṣanā’i‘, 2: 320.
[59] Mughal, Munīr Aḥmad, ‘Urf aur Sadd-e-Dharā’i‘, 28.

نے اس عرف عام کی وجہ سے ان کو عام حشرات سے نکال کر اموال متقومہ (جس کی قیمت ہو اور تلف کرنے پر ضمان آئے) کی فہرست میں داخل کر دیا۔ اجتہاد کا یہ اختلاف محض عرف و رواج کی وجہ سے پیدا ہوا اس بارے میں کوئی نص موجود نہیں تھی۔[60]

5. کسی چیز کی روایتی استعمال میں کمی بیشی اور عرف

کسی چیز کے استعمال کے ٹھیک یا غلط ہونے اور پھر تاوان لینے کی بنیاد بھی عرف و عادت اور رواج بنتا ہے۔ مثلاً کسی نے مکان کرائے پر لیا اور عام عرف کے مطابق اس کو استعمال کیا، اب اگر اس مکان کو کوئی نقصان پہنچا تو کرائے دار پر توان نہ ہو گا، لیکن غیر مروجہ استعمال کی صورت میں نقصان پہنچے تو توان لازم آئے گا۔ یہی حکم کسی سرجن کا معمول کے مطابق سرجری کرنے کا ہو گا۔ اگر خدانخواستہ مریض مر جائے تو سرجن پر توان نہیں ہو گا۔ ہاں اگر علاج اپنے دور کے عام مروجہ معیار کے مطابق نہ ہو تو تاوان لازم آئے گا۔

6. ہوٹل میں قیام کے دوران چیزوں کا استعمال اور عرف

عرف کی بنیاد پر سہولت کی ایک مثال کسی ہوٹل کے حمام میں نہانے کی ہے۔ ہوٹل میں ٹھہرنے کی مدت اور اس کے حمام میں نہانے کے دوران استعمال ہونے والے پانی کی مقدار، صابن اور تولیہ کے استعمال، بجلی، ٹی وی اور دیگر فراہم کردہ سہولیات سے استفادہ کرنے کا ازروئے قیاس تعین ہونا چاہیے لیکن ایسا کرنے میں چونکہ دشواری ہے۔ اس لیے یہاں عرف کے مقابلے میں قیاس کو ترک کر دیا گیا ہے۔[61]

7. غیر موجود چیز کی خرید و فروخت اور عرف

اسلام کا عمومی مزاج یہ ہے کہ کسی کو اپنے کاروباری معاملات میں تنازعات کا مسائل کا سامنا نہ ہو، اس لیے اس نے ایسی چیزوں کی خرید و فروخت سے منع کیا ہے جسے تنازعات پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے انہوں نے ایسے معاملات کو رواج دیکھا تو ان کی مشکلات کی خاطر اس طریقے کار کی اصلاح کر کے یہ معمول جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔

8. عرف اور گواہوں میں عدالت کے معیار کا باہمی تعلق

اللہ تعالی نے شہادت میں عدالت کو شرط قرار دیا ہے لیکن عدالت کے متعلق معاشرتی اقدار یا ادوار کے اختلاف کی وجہ سے اختلاف واقع ہونے سے کوئی بھی نہیں انکار کر سکتا۔ کسی ایک معاشرے میں جو خصائل عدالت کو مجروح کرتے ہیں دوسرے معاشرے میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس طرح ایک دور میں جو افعال معیوب سمجھے جاتے ہیں، دوسرے دور میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے عدالت کی معیار کی بنیاد ہر دور اور معاشرے کی عرف پر مبنی ہو گا۔[62]

9. حفاظت کا تعین بھی عرف پر مبنی ہے

قران میں چوری کی سزا قطع ید ہے بشرطیکہ مال محرز (محفوظ) چوری کی گیا ہے۔ لیکن شریعت نے حرز کی تعریف نہیں کی کہ یہ مال محفوظ ہے اور یہ نہیں۔ اس لیے اس کا تعین عرف کی بنیاد پر ہو گا۔ کیونکہ ہر دور اور ہر علاقے میں حفاظت مال کے اپنے طریقے ہوتے ہیں چنانچہ ہاتھ کاٹنے جیسی سزا کے نفاذ کے لیے دار و مدار رواج بنے گا اور شرعی قاضی سزا دیتے وقت مد نظر رکھے گا چوری شدہ مال طریقے کے مطابق محفوظ تھا یا نہیں۔[63]

[60] Mughal, Munīr Aḥmad, ‘Urf aur Sadd-e-Dharā’i‘, 35.
[61] Shalabī, Muṣṭafā, Uṣūl al-Fiqh al-Islāmī (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.), 1: 318
[62] Shalabī, Uṣūl al-Fiqh al-Islāmī, 1: 327
[63] Shalabī, Uṣūl al-Fiqh al-Islāmī, 1: 327

خلاصہ بحث

قاضی اور حکم میں جن شرائط اور اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کے اعراف وعادات، معاشی اور معاشرتی مسائل، رسم ورواج اور زمانے کے حالات سے واقف ہو۔ اپنے زمانے کے عرف نہ جاننے والی مفتی، قاضی اور حکم جاہل ہیں۔ لوگوں کے عرف و عادت اور قرائن سے بے خبر مفتی، قاضی اور حکم لوگوں کے حقوق ضائع کرنے اور ظلم کرنے کا سبب بنتا ہے۔ عرف کے بدلنے سے فقہ کے احکام میں تبدیلی ضرورت کا ناگزیر تقاضا ہے اور اس کے بدلنے سے احکام میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اور زمان ومکاں کے بدلنے سے بھی عرف بدل جاتا ہے۔ شریعت میں جو قول وفعل بغیر کسی تحدید کے مطلق ذکر ہوا ہے اس کے مفہوم کا تعین کرنے کے لیے حرف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ عرف عمومی یا غالب طور پر رائج ہو یعنی معاشرے میں ۱۰۰ فیصد اس کا رواج ہو اور معاشرہ کی غالب اکثریت اس پر عمل پیرا ہو۔ عرف متعقدین کی تصریح کے خلاف نہ ہو یعنی معاملہ کرنے والوں کی طرف سے عرف کے خلاف کوئی صراحت موجود نہ ہو۔ جن نصوص کا عرف پر مبنی ہونا ثابت اور متحقق ہو، ان میں عرف کی تبدیلی سے احکام میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ لیکن کسی نص کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ اس کی بنیاد عرف پر ہے انتہائی نازک اور ذمہ داری والا کام ہے اور یہ فیصلہ دقیق النظر محتاط اور متقی علماء اور فقہاء اجتماعی طور پر کر سکتے ہیں۔ اگر ایک مکتبِ فقہ میں منقول اقوال عرف کے خلاف ہوں اور دوسرے مکتب فقہ میں ایسا قول موجود ہو جو عرف وعادت کے مطابق ہو تو ایسی صورت میں اعتبار عرف کی شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے عرف کے مطابق حکم دینا شرعاً جائز ہے۔ جو احکام فقہی نصوص کی بجائے عرف وعادت پر مبنی ہوں، ان میں عرف کی تبدیلی کی صورت میں نئے عرف کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Bibliography/کتابیات

* Abū Sunna, Aḥmad Fahmī. *Al-‘Urf wa al-‘Āda fī Ra’y al-Fuqahā’*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.
* al-‘Aynī, Badr ad-Dīn. *‘Umdat al-Qārī*. Beirut: Dār Iḥyā’ at-Turāth, n.d.
* aṣ-Ṣadaqī, Muḥammad ibn Aḥmad. *Al-Wajīz fī Īḍāḥ Qawā‘id al-Fiqh al-Kulliyya*. Beirut: Mu’assasat ar-Risāla, 1416 AH.
* ar-Rāghib al-Aṣfahānī, Abū al-Qāsim al-Ḥusayn. *Al-Mufradāt fī Gharīb al-Qur’ān*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.
* aṣ-Ṣarakhsī, Muḥammad ibn Aḥmad. *Al-Mabsūṭ*. Beirut: Dār al-Ma‘rifa, 1414 AH.
* aṣ-Ṣarakhsī, Muḥammad ibn Aḥmad. *Al-Mabsūṭ*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.
* aṭ-Ṭarābulusī, ‘Alī ibn Khalīl. *Mu‘īn al-Ḥukkām*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.
* ad-Dusūqī, Muḥammad ibn Aḥmad. *Ḥāshiyat ad-Dusūqī ‘alā Sharḥ al-Kabīr*. Beirut: Dār al-Fikr, n.d.
* al-Ḥamawī, Shihāb ad-Dīn. *Al-Ashbāh wa an-Naẓā’ir ma‘a Sharḥ Ḥamawī*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, 1995.
* al-Qarāfī, Shihāb ad-Dīn. *Al-Furūq*. Beirut: Dār al-Ma‘rifa, n.d.
* al-Qarāfī, Shihāb ad-Dīn. *Tanqīḥ al-Fuṣūl*. n.p.: Shirkat aṭ-Ṭibā‘a al-Muttaḥida, 1973.
* al-Qurṭubī, Abū al-‘Abbās. *Al-Jāmi‘ li-Aḥkām al-Qur’ān*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.
* aṣ-Ṣuyūṭī, Jalāl ad-Dīn. *Al-Iklīl fī Istinbāṭ at-Tanzīl*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, 1401 AH.
* aṣ-Ṣuyūṭī, Jalāl ad-Dīn. *Al-Ashbāh wa an-Naẓā’ir fī Qawā‘id Fiqh ash-Shāfi‘iyya*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.
* ash-Shāṭibī, Abū Isḥāq. *Al-Muwāfaqāt fī Uṣūl al-Aḥkām*. Beirut: Dār al-Fikr, n.d.

* az-Zayla‘ī, ‘Uthmān ibn ‘Alī. *Tabyīn al-Ḥaqā’iq*. Cairo: Al-Maṭba‘a al-Kubrā al-Amīriyya, 1314 AH.
* Fīrūzābādī, Majd ad-Dīn. *Al-Qāmūs al-Muḥīṭ*. 2nd ed. n.p.: Al-Mu’assasa al-‘Arabiyya lil-Ṭibā‘a wa an-Nashr, n.d.
* Ibn Ḥajar al-‘Asqalānī, Aḥmad ibn ‘Alī. *Fatḥ al-Bārī*. Beirut: Dār al-Fikr, n.d.
* Ibn Manẓūr, Jamāl ad-Dīn Abū al-Faḍl. *Lisān al-‘Arab*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.
* Ibn Nujaym, Zayn ad-Dīn. *Al-Ashbāh wa an-Naẓā’ir fī Fiqh al-Ḥanafī*. Karachi: Qadīmī Kutub Khāna, n.d.
* Ibn Taymiyya, Aḥmad ibn ‘Abd al-Ḥalīm. *Fatāwā Ibn Taymiyya*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, 1987.
* Mālik ibn Anas. *Al-Mudawwana al-Kubrā*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.
* Manẓūr Aḥmad. *Irshād Uṣūl al-Fiqh*. Lahore: A&W Printers, 2008.
* Mughal, Munīr Aḥmad. *‘Urf aur Sadd-e-Dharā’i‘*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.
* an-Nawawī, Muḥyī ad-Dīn. *Rawḍat aṭ-Ṭālibīn*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.
* Yūsuf ibn Mūsā ibn Muḥammad. *Al-Mu‘taṣar min al-Mukhtaṣar min Mushkil al-Āthār*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.
* ‘Imād al-Iḥsān al-Madanī al-Barakatī. *Qawā‘id al-Fiqhiyya*. Quetta: Dār al-Kitāb, n.d.
* ‘Imād al-Iḥsān. *Majmū‘a Qawā‘id al-Fiqh*. Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.